قیمت پانچ روپے

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

الیکشن ۱۹۹۶

Bayir

اس شمارے میں

۲۰ کروڑ ہندوستانی مسلمان سخت ذہنی انتشار سے دوچار

کفر اور کفر کی معرکہ آرائی میں

مسلمان کیا کریں؟

قائد ملی پارلیمنٹ سے ایک اہم انٹرویو

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A	$1.25

سیاسی پارٹیوں کے انتخابی منشور میں وعدے تو بہت ہیں مگر........

ان جھولیوں میں مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں ہے

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تقریبا تمام ہی سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے انتخابی منشور جاری کئے ہیں۔ دلتوں، اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے ووٹوں کی دعویدار بہوجن سماج پارٹی نے کوئی منشور جاری نہیں کیا ہے کیونکہ اس کے لیڈر کانشی رام کے بقول وعدوں کی حد تک تقریبا ہر پارٹی کا مینی فیسٹو اچھا ہوتا ہے لیکن ہر مینی فیسٹو یا منشور سب کے لئے یکساں طور پر اچھا نہیں ہوتا۔ مثلاً بی جے پی کا منشور مسلمانوں کے لئے اچھا ہونا تو دور کی بات بلکہ کافی حد تک خطرناک ہے۔

سیاسی جماعتیں جو منشور جاری کرتی ہیں، عوام کا رویہ ان کے بارے میں بالعموم بے پروائی کا ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ نہ پورے ہونے والے وعدوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ ووٹروں کی بھاری اکثریت سیاسی جماعتوں یا امیدواروں کے منشور پڑھے بغیر ہی ووٹ دیتی ہے۔

چونکہ آئندہ انتخابات اس معنی میں بڑے اہم ہیں کہ اس بار کسی بھی جماعت کے حق میں یا اس کے خلاف کسی قسم کی لہر نہیں چل رہی ہے، اس لئے ہر جماعت اپنے اپنے منشوروں میں ووٹروں کو لبھانے کے لئے طرح طرح کے وعدے کر رہی ہے۔ اسی نقطہ نظر سے ملک کی تین بڑی پارٹیوں نے اس بار اپنے منشور کی تیاری پر خاص توجہ دی۔ کیونکہ اس بار ووٹ حاصل کرنا سب کے لئے مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں ہم تین بڑی جماعتوں۔ کانگریس، بی جے پی اور جنتا دل کے منشوروں میں آئیے یہ تلاش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ان کی جھولیوں میں کیا ہے۔

بی جے پی، مندر لہر یا کرپشن مخالف لہر پیدا کرنے میں ناکامی کے بعد مسلم دشمنی کی اپنی پرانی پالیسی کی طرف لوٹ آئی ہے۔ اس پارٹی کا منشور مسلم مخالف اعلانات سے بھرا پڑا ہے۔ اس نے ایک بار پھر اجودھیا کے مسئلے کو اٹھایا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد مسمار شدہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنائے گی۔ اسی طرح نام نہاد اقلیتی کمیشن کو ختم کرنے کا بھی اس نے اعلان کیا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت سے متعلق دستوری دفعہ کو بھی ختم کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ مزید برآں وہ مسلمانوں کے پرسنل لا کو ختم کرکے سب کے لئے یکساں سول کوڈ بنانا چاہتی ہے جسے عام طور سے مسلم مخالف قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ریاستی و مرکزی حج کمیٹیوں کا ذکر نہیں ہے، لیکن شاید بی جے پی اس معاملے میں اپنی بہن جماعت شیوسینا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں بھی ختم کر دے گی۔

وزیر اعظم نرسمہاراؤ، شرد یادو اور مفتی سعید اور آڈوانی علی الترتیب کانگریس، جنتادل اور بی جے پی کا منشور جاری کرتے ہوئے

کانگریس کا منشور وہی پرانے انداز کا ہے۔ ایک مدت سے کانگریس کے حلقوں میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے سرکاری نوکریوں میں ان کے لئے رزرویشن کا وعدہ کیا جائے۔ لیکن جب منشور منظر عام پر آیا تو اس میں ایسی کوئی بات تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملی۔ اس کے بجائے کانگریس اپنے انہیں پرانے وعدوں پر قائم ہے۔ مثلاً ۱۵ نکاتی پروگرام اور ایک مالیاتی کارپوریشن کا قیام وغیرہ۔ بابری مسجد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عدالت کا فیصلہ منظور ہو گا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کانگریس کے منشور سازوں کو اپنے ان ہندو اور مسلمان لیڈروں کی سیاسی سوجھ بوجھ پر اعتماد نہیں ہے۔ جو مدت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اب گھسے پٹے وعدوں کی نہیں بلکہ رزرویشن اور دوسرے مثبت اقدامات کی ضرورت ہے، اور ایسی ہی کسی صورت میں وہ کانگریس سے دوبارہ قریب آسکتے ہیں۔

جنتادل خود کو مسلمانوں کا چیمپین کہتے ہوئے نہیں تھکتی۔ لیکن اس پارٹی کا منشور بھی مسلمانوں کے لئے کوئی خوش کن خبر اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اس نے سب سے زیادہ توجہ دیگر پسماندہ طبقات پر دی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ سرکاری نوکریوں کی طرح پرائیویٹ سیکٹر میں ان کے لئے سیٹیں مخصوص کی جائیں گی۔ مسلمانوں کے لئے رزرویشن کے متعلق جنتادل میں اختلاف ہو گیا۔ شمالی ہند کے اکثر لیڈر، شرد یادو کو چھوڑ کر، رزرویشن کے حق میں ہیں لیکن جنوبی ہند کے لیڈر، خاص طور سے رام کرشن ہیگڑے اور بومئی اس دلیل کی بنیاد پر مسلمانوں کے رزرویشن کے مخالف ہیں کہ اس سے ہندو خفا ہوں گے۔ اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ خودسر قسم کے رام کرشن ہیگڑے ایک عرصہ سے نرسمہاراؤ کے مداح ہیں اس لئے اگر وہ کانگریس کی زبان بولنے لگے ہیں تو یہ ان کی طرز فکر کے عین مطابق ہے۔ بہرکیف جب جنتادل کا منشور جھگڑے جیسی بحثوں کے بعد کافی تاخیر سے سامنے آیا تو اس میں بھی مسلمانوں کے لئے سرکاری نوکریوں میں سیٹیں مخصوص کرنے کا ذکر نہیں تھا۔

گویا مرکز میں برسر اقتدار آنے کی دعویدار ان تینوں جماعتوں نے مسلم مسائل پر زبانی جمع خرچ بھی نہیں کیا ان کی جھولیوں میں مسلمانوں کے لئے وعدوں کا لالی پاپ بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اب ان پارٹیوں کے خلوص اور اپنے تئیں ہمدردی کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے

> کانگریس اپنے انہیں پرانے وعدوں پر قائم ہے۔ مثلاً ۱۵ نکاتی پروگرام اور ایک مالیاتی کارپوریشن کا قیام وغیرہ۔ بابری مسجد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عدالت کا فیصلہ منظور ہو گا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کانگریس کے منشور سازوں کو اپنے ان ہندو اور مسلمان لیڈروں کی سیاسی سوجھ بوجھ پر اعتماد نہیں ہے جو مدت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اب گھسے پٹے وعدوں کی نہیں بلکہ رزرویشن اور دوسرے مثبت اقدامات کی ضرورت ہے۔

> اس پارٹی کا منشور مسلم مخالف اعلانات سے بھرا پڑا ہے۔ اس نے ایک بار پھر اجودھیا کے مسئلے کو اٹھایا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد مسمار شدہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنائے گی۔ اسی طرح نام نہاد اقلیتی کمیشن کو ختم کرنے کا بھی اس نے اعلان کیا ہے۔

"کب تک دھندے کو چوپٹ کر کے مندر کی بات کریں"

ہندو عسکریت پسندوں کے برگیڈیئر ونے کٹیار کو اجودھیا میں ناکوں چنے چبانے پڑے

"سارا بزنس ہی برباد ہو گیا۔ اب بہت کم لوگ یہاں آتے ہیں۔ بی جے پی نے تو مسجد گرا کر ہماری روٹی ہی چھین لی ہے۔ اگر بابری مسجد ہوتی تو کتنے لوگ اسے دیکھنے آتے۔ اب یہاں کچھ دیکھنے کو رہا ہی نہیں اسی لئے ٹورسٹ بھی کم آتے ہیں"

"ارے صاحب بہت ہو چکا مندر مسجد کا جھگڑا۔ کب تک دھندے کو چوپٹ کر کے مندر کی بات کریں۔ اب تو ہندوتو کے نام پر ووٹ نہیں ملے گا۔ کچھ اور کام بھی تو کرنا چاہئے ان نیتا لوگوں کو۔"

"سیکولر ہندوؤں نے اب مندر کی سیاست بہت کر لی۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب ہم ایک ایسی حکومت چاہتے ہیں جو مندر کے بجائے کام کرے۔"

مذکورہ بالا خیالات علی الترتیب اجودھیا میں سر جو ندی کے گھاٹ پر بیٹھنے والے ایک پنڈا، ایک دوکاندار اور ایک غیر مسلم وکیل کے ہیں۔ تینوں بیانات اجودھیا یا فیض آباد کی انتخابی صورتحال کا بیانیہ ہیں۔ انہیں انتخابی نتیجہ بھی کہہ دیا جائے تو شاید بیجا نہیں ہو گا۔ واضح رہے کہ فیض آباد پارلیمانی نشست پر بجرنگ دل کے سابق صدر اور بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ ونے کٹیار اور سماجوادی پارٹی کے متر سین یادو میں کانٹے کی ٹکر ہے۔ جس میں یادو کا پلڑا بھاری ہوتا جارہا ہے۔

> سچائی تو یہ ہے کہ کٹیار نے پہلے ہی شکست مان لی ہے۔ ہندوتو کا ایشو اپنی چمک دمک کھو چکا ہے اور ۱۹۹۱ سے ۱۹۹۶ کے دوران بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندوتو کا یہ کمانڈر چاروں شانے چت ہو جائے اور انتخابی سر جو میں غرقاب ہو جائے۔

کٹیار نے بابری مسجد کے انہدام میں کلیدی رول ادا کیا تھا اور رام مندر تحریک کے نتیجے میں انہیں فیض آباد کی سیٹ سے کامیابی مل گئی تھی۔ لیکن آج ہندوتو کی وہ لہر کہیں نہیں ہے جس کے دوش پر سوار ہو کر وہ ایوان پارلیمنٹ تک پہنچے تھے۔ مندر کی سیاست دم توڑ چکی ہے اسی لئے اجودھیا کے سادھو سنتوں نے کٹیار کی انتخابی مہم میں شرکت سے انکار کر دیا ہے۔ مشاہدین کا خیال ہے کہ چونکہ ہندوتو کی لہر کہیں نہیں ہے لہذا کٹیار کا جیتنا مشکل ہے۔ اس کے لئے انہیں لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے۔

حالانکہ کٹیار کہتے ہیں کہ اس بار ہندوتو کی لہر اوپر نہ ہو کر اندر ہی اندر ہے اور اس کا اثر ہو گا۔

لیکن سچائی تو یہ ہے کہ کٹیار نے پہلے ہی شکست مان لی ہے۔ ہندوتو کا ایشو اپنی چمک دمک کھو چکا ہے اور ۱۹۹۱ سے ۱۹۹۶ کے دوران بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندوتو کا یہ کمانڈر چاروں شانے چت ہو جائے۔

بابری مسجد

اپنا ووٹ کسے دیں؟

یہ سوال ملت فروشوں سے نہیں اپنے ضمیر سے پوچھئے!
اللہ اور اس کے رسول سے پوچھئے!!

قرآن کا ارشاد ہے

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا

اللہ نے کافروں کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ مومنوں پر حکمراں بن جائیں۔

گویا قرآن کی رو سے اہل ایمان کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے اجتماعی امور غیر مسلم پارٹیوں کو سونپ دیں۔

کنفیوژن کی اس فضا میں

جب امت کے بڑے بوڑھوں کو یہ سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ آخر وہ کیا کریں۔ جب تین فتنوں کے مقابلے میں کوئی چوتھا مسلم متبادل آپ کے سامنے نہ ہو تو اس پرفتن دور میں لازم ہے کہ تاریک گلی میں داخل ہونے کے بجائے آپ اپنے قدم روک لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فتنے کے دور میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑے ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے۔ ایسی حالت میں جو شخص بھی اپنے آپ کو اس فتنے میں جھونک دے گا تباہ ہو جائے گا لہذا ایسی صورت میں جسے بھی کوئی پناہ یا نجات کا راستہ مل سکے اس سے بچنے کی کوشش کرے (رواہ البخاری)۔

فتنے کی اس گھڑی میں رسول کے نام لیواؤں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس معرکہ آرائی سے دور رکھیں اور ایک چوتھے مسلم متبادل کے لئے اپنی جدوجہد تیز تر کردیں۔

غلیظ کفر کی تینوں شکلوں کو یکسر مسترد کر دینا آپ کی اسلامی ذمہ داری ہے۔

ملی پارلیامنٹ

مرکزی دفتر: نیو سرسید نگر، علی گڑھ Tel/Fax: (0571)400182
دہلی دفتر: Fax: (011) 6926030 Tel: (011) 6827018

کیا ایران کارٹر کی طرح کلنٹن کے صدارتی انتخاب کو بھی ملیا میٹ کر دیگا

بل کلنٹن ایران بوسنیا اسکینڈل کے دلدل میں بری طرح پھنس گئے ہیں

کیا ایران ایک بار پھر کسی برسر اقتدار امریکی صدر کے دوسری مدت کے لئے صدارتی انتخاب کو ملیا میٹ کر سکتا ہے؟ یہ سوال آج امریکی حالات پر نظر رکھنے والے ہر شخص کے ذہن میں گونج رہا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں انقلاب ایران کے نوجوان حامیوں نے تہران میں امریکی سفارتخانے پر قبضہ کر کے اس کے عملے کے افراد کو یرغمال بنالیا تھا۔ اس وقت کے امریکی صدر جمی کارٹر نے یرغمالوں کو رہا کرانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ انہوں نے ایک فوجی کارروائی بھی کی جو ناکام ہو گئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دوسری مدت کے لئے صدر منتخب نہ ہو سکے۔ اور سابق صدر ریگن نے انہیں زبردست شکست دی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی ہے۔ موجودہ صدر امریکہ بل کلنٹن جلد ہی دوسری چار سالہ مدت کے لئے انتخابی میدان میں ہوں گے اور انہیں بھی جمی کارٹر جیسی صورتحال کا سامنا ہو گا۔ ایک بار ایران پھر ایک امریکی صدر کے دوبارہ منتخب ہونے کے خواب کو چکنا چور کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ بل کلنٹن کی طرح جمی کارٹر کا تعلق بھی ڈیموکریٹک پارٹی سے تھا۔

گذشتہ کئی ہفتوں سے امریکی اخبارات میں ایک خبر شاہ سرخیوں میں شائع ہو رہی ہے جسے ایران۔ بوسنیا اسکینڈل کا نام دیا جا رہا ہے۔ امریکی کانگریس کی کم سے کم آٹھ کمیٹیاں اس معاملے کی تحقیق کرنے والی ہیں۔ الزام یہ ہے کہ گذشتہ دو سالوں سے کلنٹن نے جہاں ایک طرف ایران کے خلاف سخت اقدامات کئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ اسے دہشت گرد قرار دیکر الگ تھلگ کر دیا جائے وہیں انہوں نے اپنے ایک فیصلے سے ایران کو بوسنیا میں قدم جمانے میں مدد بھی دی ہے۔ بعض رپورٹوں کے مطابق انہوں نے بذات خود کروشیا کے صدر کی درخواست پر اپنے بحری بیڑے کے عملے کو حکم دیا تھا کہ وہ بعض ایرانی جہازوں کو کروشیائی بندر گاہوں تک جانے دیں۔ ان جہازوں میں ہلکے ہتھیار تھے جو کروشیا کے راستے سے بوسنیا بھیجے جا رہے تھے۔ یہ انکشاف ایسے وقت ہوا ہے جب کلنٹن انتظامیہ بوسنیا میں ایران کی موجودگی کے خلاف مہم چھیڑے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے اگر یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ صدر کلنٹن کسی بھی درجے میں اس واقعے میں ملوث ہیں تو اس سے ان کی انتخابی مہم متاثر ہو سکتی ہے۔

ڈیٹن میں واقع ایک امریکی فوجی اڈے پر جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ڈیٹن معاہدے کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے مطابق بوسنیا، سربیا اور کروشیا میں موجود ان غیر ملکیوں کو ملک سے نکل جانا تھا جو وہاں اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے گئے تھے۔ اس مقصد کے لئے جو آخری تاریخ دی گئی تھی وہ گزر چکی ہے۔ لیکن اطلاعات کے مطابق اب بھی بعض افغان مجاہدین بوسنیا کے کسی مقام پر موجود ہیں۔ اس خبر کی اشاعت کے بعد کلنٹن انتظامیہ پر گویا ایک مصیبت ٹوٹ پڑی اخبارات نے اپنے طور پر تحقیق شروع کر دی اور اس نتیجے پر پہونچے کہ ۱۹۹۴ء میں خود صدر امریکہ نے یہ پالیسی اختیار کرنے کی اجازت دی تھی جس کے مطابق امریکی بحری بیڑے نے ایرانی جہازوں کو کروشیائی بندر گاہوں پر بوسنیائی حکومت کے لئے ہتھیار اتارنے دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت امریکی پالیسی یہ تھی کہ سابق یوگوسلاویہ کے خلاف اقوام متحدہ کی اس پالیسی کی حمایت کی جائے جس کے ذریعہ اسے کوئی ملک ہتھیار سپلائی نہیں کر سکتا تھا۔
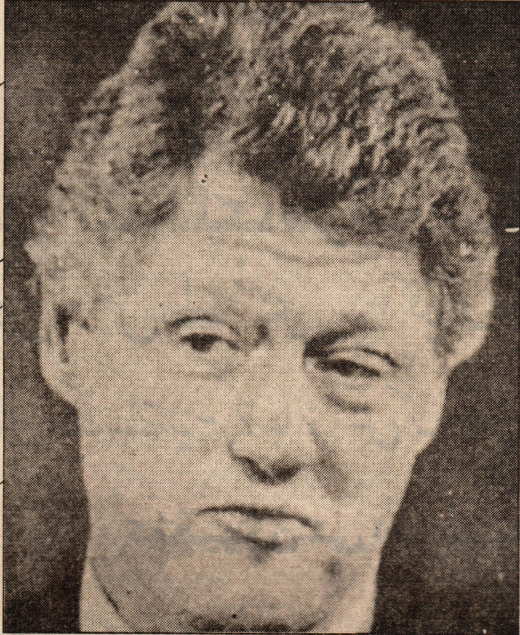
امریکی انتظامیہ نے گذشتہ دنوں بوسنیا کی حکومت کو دھمکی دی تھی کہ وہ ایران سے اپنے سارے تعلق ختم کر لے ورنہ اس کی معاشی اور فوجی مدد بند کر دی جائے گی۔ لیکن بوسنیائی حکومت اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایران نے اس کی اس وقت مدد کی جب پوری دنیا میں ان کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ امریکی دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے حال ہی میں بوسنیا کے وزیر اعظم نے ایران کا دورہ کیا تھا جہاں تہران نے انٹرنیشنل کریڈٹ کے طور پر بوسنیا کو ایک ہزار لاکھ ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایران بوسنیا کو مفت تیل بھی فراہم کرے گا۔ یہ امکان ہے کہ انٹرنیشنل کریڈٹ کو بوسنیائی حکومت ہتھیار خریدنے کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔

کلنٹن: کہیں میں الیکشن ہار نہ جاؤں

ان اخباری رپورٹوں کی اشاعت کے بعد کلنٹن کے مخالفین نے ان کی خارجہ پالیسی پر حملے شروع کر دیے۔ کلنٹن کے بعض حامیوں نے اپنا نام نہ ظاہر کرتے ہوئے جوابا کہا ہے کہ ریپبلکن پارٹی کو تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ وہی امریکی کانگریس پر زور دے رہی تھی کہ اقوام متحدہ کی تجویز کے برخلاف امریکہ کو بوسنیا کی فوجی مدد کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں سب سے آگے باب ڈول تھے جو اب ریپبلکن پارٹی کے صدارتی امیدوار ہیں۔ اب یہی ریپبلکن پارٹی کلنٹن انتظامیہ سے مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ بوسنیا پر دباؤ ڈال کر اسے ایران سے قطع تعلق کے لیے کہے۔ اگر بوسنیا اس سے انکار کرتا ہے تو اس کی مدد روک دی جائے۔

کلنٹن انتظامیہ نے فی الواقع بوسنیائی حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع بھی کر دیا ہے۔ لیکن بوسنیا اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ بوسنیا کے وزیر اعظم نے بعض امریکی اخباری نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اس میں ہرج کیا ہے اگر بوسنیائی فوج کسی ایرانی النسل فوجی ماہر سے تربیت حاصل کرتی ہے؟ ظاہر ہے یوں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن برا ہو انتخابی سیاست کا۔ اب اس معاملے کو لیکر کلنٹن پر طرح طرح کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اقدامات سے یوروپ میں ایرانی قسم کے انقلابی اسلام کو قدم جمانے میں مدد دی ہے۔ گویا آئندہ صدارتی انتخاب میں ایران ایک بار پھر "تقریروں" کا مرکز ہو گا اور بہت ممکن ہے اس سے صدر امریکہ کا دوبارہ صدر منتخب ہونے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔

> تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی ہے۔ موجودہ صدر امریکہ بل کلنٹن جلد ہی دوسری چار سالہ مدت کے لئے انتخابی میدان میں ہوں گے اور انہیں بھی جمی کارٹر جیسی صورتحال کا سامنا ہو گا۔ ایک بار ایران پھر ایک امریکی صدر کے دوبارہ منتخب ہونے کے خواب کو چکنا چور کر سکتا ہے۔

> انہوں نے اپنے ایک فیصلے سے ایران کو بوسنیا میں قدم جمانے میں مدد بھی دی ہے۔ انہوں نے بذات خود کروشیا کے صدر کی درخواست پر اپنے بحری بیڑے کے عملے کو حکم دیا تھا کہ وہ بعض ایرانی جہازوں کو کروشیائی بندر گاہوں تک جانے دیں۔

بقیہ: مسلمان اور الیکشن

گذشتہ دنوں بعض مسلم حلقوں کی طرف سے اس پریشانی کا اظہار بھی ہوتا رہا ہے کہ تیسرے فرنٹ کے موثر طریقہ پر سامنے نہ آنے سے مسلمانوں کے لئے بہت پریشانی واقع ہو گئی ہے۔ اور مسجد کے حوالے سے سیاست کرنے والے بعض سیاسی مسلمانوں نے اس مشکل پر اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ تیسرے فرنٹ کے موثر نہ ہونے میں مسلمانوں کا خسارہ ہے۔ گویا انہوں نے یہ تصور کر لیا کہ شاید تیسرے فرنٹ کے برسر اقتدار آجانے پر دہلی میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس سادہ لوحی پر جتنا بھی ماتم کیجئے کم ہے۔ مسلمانوں کے بعض حلقوں میں شاید اب بھی یہ تاثر پوری طرح زائل نہیں ہوا ہے کہ ان سب سیاسی پارٹیوں میں ان کا کوئی غمگسار بھی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کی ایک قابل ذکر آبادی اب بھی استعانت اور مدد کے لئے کفار و مشرکین کی طرف دیکھتی ہے۔

اسی اثنا میں ملک کے مختلف گوشوں میں روایتی ٹوپیاں اور مسلمانوں جیسے چہرے بشرے حرکت میں آگئے ہیں۔ ان میں سے کوئی مسلمانوں کا مفاد کانگریس کے ساتھ وابستہ بتاتا ہے تو کوئی تیسرے محاذ کے ذریعے اس ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا کام کروانا چاہتا ہے۔ گو کہ ثقہ قسم کے معتبر علما نے اب تک اپنے آپ کو اس خرید و فروخت کے کاروبار سے الگ رکھا ہے لیکن وہ اپنی خاموشی کی قیمت مختلف انداز سے وصولنے کے ہنر سے خوب واقف ہیں۔ اس لئے انہیں امت کی موجودہ صورتحال کے لئے کسی نہ کسی حد تک تو ذمہ دار سمجھا ہی جاسکتا ہے۔ یہی وہ مسلم جماعتیں ہیں جنہیں کسی نہ کسی حد تک امت کے بعض حلقوں میں اعتبار حاصل ہے تو ان میں سے بیشتر نے خاموشی میں عافیت جانی ہے۔ البتہ جو لوگ کسی نہ کسی حوالے سے حرکت میں ہیں وہ مختلف قسم کے قیل و قال کے ذریعہ انہی دشمنوں میں سے کسی ایک کو برسر اقتدار لانے کے لئے سرگرم ہو گئے ہیں۔ اس سرگرمی میں امت کا تو یقینا کچھ بھلا نہ ہو گا البتہ بعض افراد کا فوری بھلا ضرور ہو گیا ہے اور بعض کے لئے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جو مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ غور و فکر کا حامل ہے وہ یہ کہ ایک ایسی صورتحال میں مسلمان کرے تو کیا کرے۔ اب تک جن گوشوں سے بھی امت کو کچھ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے وہ سب کے سب ان افراد کے دماغ کی اپنی اپج ہیں ان کی اپنی سیاسی مجبوریاں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جب راستے مسدود ہو جائیں تو ہم ہدایت کے لئے کسی اور کی طرف دیکھنے کے بجائے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے رہنمائی کے حصول کی کوشش کریں، اگر دیکھا جائے تو علماء کرام اور حاملین شریعت کے تمام مشوروں میں جو مختلف اوقات میں اس امت کو ملتے رہے ہیں یہ احساس سرے سے ناپید ہے کہ ہمارے پاس خدا کی آخری کتاب ہدایت آج بھی موجود ہے، پھر جو امت قرآن پر کٹنے اور مرنے کا عزم رکھتی ہو وہ بھلا کیسے اس کی رہنمائی سے غفلت برت سکتی ہے؟ قرآن کی رہنمائی ہمیں واضح الفاظ میں بتاتی ہے کہ غیر مسلموں کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ امت مسلمہ کے امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اگر قرآن اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں کو کسی بھی مرحلے میں غیر مسلموں کی قیادت میں دیا جاسکتا ہے تو پھر یہ حاملین شریعت کس شریعت کے حوالے سے آخری رسول کی امت کو کفار و مشرکین کی جھولی میں ڈالنے کا کھیل کھیل رہے ہیں، اگر موجودہ الیکشن کے نتیجے میں مسلمانوں کے لئے کوئی مثبت تبدیلی واقع نہیں ہوتی، اگر اس الیکشن کے بعد بھی اسلام دشمن قوتیں فیصلہ کن پوزیشن میں برقرار رہتی ہیں تو مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ الیکشن کے اس پورے ڈرامے کی ان کے لئے کیا اہمیت ہے۔ اور اگر یہ سارا ڈرامہ اس ملک میں مسلمانوں کی صورتحال میں تبدیلی کے امکانات نہیں رکھتا تو پھر اس ذوق و شوق سے کسی کی حمایت یا کسی کی مخالفت کیا معنی رکھتا ہے۔ فی الوقت مسلمانوں کے لئے صرف تین متبادل ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کو کامیاب کرانا ہماری مجبوری ہے۔ پھر یہ کیسی جمہوریت ہے جہاں ملک کی ایک چوتھائی آبادی کو اپنے سیاسی نمائندوں کے انتخاب کی آزادی نہیں ہے اور ان سے بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے دشمنوں میں سے ہی کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ جب تک ایک چوتھا متبادل سامنے نہیں آتا اور قیام انصاف کے لئے ایک مسلم متقی قوت سامنے نہیں آتی مسلمانوں کے لئے موجودہ سیاسی نظام کے جبر سے نجات ممکن نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان تین متبادل میں سے کسی ایک کو معتبر بنانے کے بجائے چوتھے متبادل کے قیام پر اپنی قوت صرف کریں۔ ایک ایسا متبادل جس سے اس ملک میں ایک نئی صبح کی امید بندھتی ہو۔

> دیکھا جائے تو علماء کرام اور حاملین شریعت کے تمام مشوروں میں جو مختلف اوقات میں اس امت کو ملتے رہے ہیں یہ احساس سرے سے ناپید ہے کہ ہمارے پاس خدا کی آخری کتاب ہدایت آج بھی موجود ہے، پھر جو امت قرآن پر کٹنے اور مرنے کا عزم رکھتی ہو وہ بھلا کیسے اس کی رہنمائی سے غفلت برت سکتی ہے؟

یادداشت کھونے۔ سینے اور پھیپھڑوں میں درد اور تھکاوٹ و اضمحلال جیسی بے شمار شکایتیں

خلیجی جنگ میں شامل اتحادی فوجیوں کو اعصابی امراض نے جکڑ لیا ہے

اسے بیماری کہیں یا قہر خداوندی کہ عراق کے خلاف خلیجی جنگ میں ملوث اتحادی فوجی اعصابی امراض میں مبتلا ہوگئے ہیں جس سے انکا اعصابی نظام تباہ ہوسکتا ہے۔ حال ہی میں برطانیہ کے اخباروں میں شائع ایک مطالعاتی رپورٹ کے مطابق کئی فوجیوں کو ایسی بیماریاں لاحق ہوگئی ہیں جن کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ گلاسگو اسکاٹ لینڈ کے جنوبی جنرل اسپتال کے نیورولوجیکل سائنسز انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ ڈاکٹر عوران جمال نے اس سلسلے میں تحقیق اور مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر جمال ایک عراقی کرد ہیں اور کافی دنوں سے اس انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ ہیں۔ ان کے مطالعہ کے مطابق خلیجی جنگ میں شامل بہت سے فوجیوں کے اندر ایسے جراثیم پیدا ہوگئے ہیں جو اعصابی نظام کو متاثر کررہے ہیں جس کی بنا پر ان میں ایسی بیماریوں کی علامتیں ظاہر ہورہی ہیں جن کی کوئی تشریح نہیں کی جاسکتی۔

ڈاکٹر جمال کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے ۱۴ صحت مند شہریوں اور خلیجی جنگ میں شامل ۱۴ فوجیوں کا تقابلی مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ فوجیوں کے اعصابی نظام میں گڑبڑی پیدا ہوگئی ہے اور ان کا اعصابی نظام اس طرح کام نہیں کررہا ہے جس طرح صحت مند شہریوں کا کررہا ہے۔ ۱۹۹۱ میں ہونے والی خلیجی جنگ سے واپس آنے کے بعد سے ہی سینکڑوں فوجی اور ہوائی جہاز کے پائلٹ تھکن، سردرد، یادداشت کھوجانے، پژمردگی اور اضمحلال، جلدوں پر سرخ دھبوں، سینے اور پھیپھڑوں میں درد کی شکایت کررہے ہیں۔ انہیں یہ شکایت مسلسل ہے اور عام دواؤں سے ان میں کوئی افاقہ نہیں ہورہا ہے۔ کچھ فوجیوں کے یہاں ایسے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں جو غیر فطری جسمانی ساخت کے ہیں یا جن کی ذہنی صحت مشکوک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ گولیوں اور ٹیکوں کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ ان فوجیوں کو جنگ پر جاتے وقت یہ دوائیں دی گئی تھیں اور ٹیکے لگائے گئے تھا تاکہ کیمیاوی مادوں کے اثرات ان پر نہ پڑیں۔

> اسے عتاب الٰہی نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے کہ اعصابی امراض صرف انہی لوگوں کو لاحق ہورہے ہیں، جو جنگ میں حصہ لے رہے تھے اور وہ لوگ اس سے بچے ہیں جن کا اس سے تعلق نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر جمال کی تحقیق نہ صرف چونکانے والی ہے بلکہ عبرت ناک بھی ہے۔

ڈاکٹر جمال نے اپنے مطالعہ میں فوجیوں کی اس بیماری کا پتہ لگایا ہے لیکن برطانوی وزارت دفاع نے ابھی اس کی تصدیق نہیں کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ فوجیوں میں اعصابی نظام کی گڑبڑی کے جراثیم اور علامتیں موجود ہیں۔ تاہم اس نے دو ماہ قبل ایک ایسے مطالعہ کے لئے رقم دیدی ہے جس میں خلیجی جنگ میں شامل جوانوں اور جو اس میں شامل نہیں تھے ان کا بھی جائزہ لیا جائے گا اور یہ پتہ لگانے کی کوشش کی جائے گی کہ آیا ڈاکٹر جمال نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، لیکن اس تحقیق میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے کم از کم پانچ سال ضرور لگ جائیں گے۔

ڈاکٹر جمال نے اپنے تجربہ کی شروعات دسمبر ۱۹۹۴ میں کی تھی۔ برطانیہ کے ایک اخبار "جرنل آف نیورولوجی، نیورو سرجری اینڈ سائکیاٹری" میں ڈاکٹر جمال نے کہا ہے کہ فوجیوں میں ایسی خرابی ہے جو جسمانی گڑبڑی کے سبب بھی ہوسکتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنگ میں شامل سینکڑوں فوجیوں میں اعصابی مرض پیدا ہوگیا ہے۔ وہ اور ان کی ٹیم کا کہنا ہے کہ جن فوجیوں اور شہریوں پر مطالعہ کیا گیا ان کے نتائج میں زبردست اختلاف اور تضاد نظر آرہا ہے۔ تجربے کے لئے ایسے ۱۲ مرد فوجی اور ۲ خواتین کو منتخب کیا گیا جن کی عمریں ۳۲ سال کے اندر تھیں اور جنہیں جنگ کے بعد سے ہی اس قسم کی بیماریوں کی شکایت تھی۔ ان پر کئی تجربے کئے گئے جو پھیپھڑے کے نظام، نسوں اور گوشت میں دوران خون اور اعصابی اشاروں سے متعلق تھے۔ تجربے کے بعد پتہ چلا کہ بازوؤں اور ٹانگوں میں درد اور تھکن کی شکایت زیادہ ہوتی ہے

اسے بیماری کہیں یا قہر خداوندی — کیا اس عذاب سے نجات مل جائے گی

بہرحال ڈاکٹر جمال کی تحقیق کے مطابق ان فوجیوں کا اعصابی نظام بھی فیل ہوسکتا ہے۔ اس موقع پر وہ واقعہ یاد آتا ہے جب ہندوستان میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد بھڑکے فرقہ وارانہ فساد کے دوران گجرات کے شہر سورت میں شرپسندوں نے مسلم خواتین کو برہنہ دوڑا کر ان کی ویڈیو گرافی کی تھی اور پھر اسی شہر میں پلیگ یا طاعون جیسی بھیانک بیماری نے لوگوں کو جکڑ لیا تھا اور اطلاعات کے مطابق طاعون سے ہلاک ہونے والوں میں سب سے پہلا نوجوان وہ تھا جو ویڈیو گرافی میں پیش پیش تھا۔ اس وقت یہ بھی دیکھا گیا تھا کہ مسلم محلوں میں پلیگ کا اثر بہت کم اور ہندو علاقوں میں بہت زیادہ تھا۔ اس وقت شہر کے ہندو مسلم محلوں میں آکر ان سے دعاؤں کی درخواست اور معافی تلافی بھی کررہے تھے۔ ان لوگوں نے کئی مسجدوں کی دھلائی بھی کی تھی تاکہ کسی بہانے ان کا گناہ معاف ہوجائے۔

> پتہ چلا کہ فوجیوں کے اعصابی نظام میں گڑبڑی پیدا ہوگئی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں ہونے والی خلیجی جنگ سے واپس آنے کے بعد سے ہی سینکڑوں فوجی اور ہوائی جہاز کے پائلٹ تھکن، سردرد، یادداشت کھوجانے، پژمردگی اور اضمحلال، جلدوں پر سرخ دھبوں، سینے اور پھیپھڑوں میں درد کی شکایت کررہے ہیں۔

بالکل اسی طرح اب خلیجی جنگ میں ملوث فوجیوں پر بھی عتاب الٰہی نازل ہورہا ہے۔ اسے عتاب الٰہی نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے کہ اعصابی امراض صرف انہی لوگوں کو لاحق ہورہے ہیں جو جنگ میں حصہ لے رہے تھے اور وہ لوگ اس سے بچے ہیں جن کا اس سے تعلق نہیں تھا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر جمال کی تحقیق نہ صرف چونکانے والی ہے بلکہ عبرت ناک بھی ہے۔ —

مغربی بنگال میں سو مساجد پر ناجائز قبضے

کہیں یہ آگ جیوتی بسو حکومت کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے

کسی مسجد میں قمار خانہ قائم ہوگیا ہے تو کسی میں کارخانہ بن گیا ہے۔ کسی مسجد میں دوسری غیر اخلاقی حرکتیں ہورہی ہیں تو کسی کو منہدم کرکے میدان میں بدل دیا گیا ہے۔ کسی میں سرکاری مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے تو کسی میں کوئی دفتر قائم کردیا گیا ہے۔ چونکئے نہیں یہ حقیقت ہے اور یہ اپنے ہندوستان کی بات ہے۔ یہ سب کچھ مغربی بنگال کی کمیونسٹ حکومت کے زیر سایہ ہورہا ہے اور مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ جیوتی بسو اور ان کی حکومت ان کارروائیوں کی پشت پناہی کررہی ہے۔ کم و بیش سو مساجد بائیں بازو کے ورکرس نے مرتب کی ہیں یا پھر وزارت اوقاف نے پرموٹروں اور ٹھیکیداروں کو کم قیمت پر پٹے پر دیکر اچھی خاصی کمائی کی ہے۔

مغربی بنگال انجمن فلاح مساجد کے ذرائع کے مطابق مساجد کو ہڑپنے کی کارروائی کی بائیں بازو کی حکومت پشت پناہی کررہی ہے۔ کچھ مسجدوں پر کانگریس بھی قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ کئی مساجد میں تو سرکاری ملازمین کو بھی ٹھہرایا گیا ہے۔ بائیں بازو حکومت کے وزیر اوقاف اسمبلی میں اس کو تسلیم بھی کرچکے ہیں۔ ریاستی حکومت نے ہاوڑہ، کلکتہ اور جل پائی گوڑی میں ایسی ۵۴ مساجد کا اعتراف کیا ہے جن پر قبضے کئے گئے ہیں۔ پہلی بار رپورٹ میں صرف ۱۷ مساجد و قبرستان کا ذکر کیا گیا۔ رپورٹ میں ۱۳ مسجدوں سے متعلق یہ تفصیل بتائی گئی کہ کن لوگوں نے مسجدوں کی جائیداد وقف کی تھی۔ ہاوڑہ کی تین مسجدوں پر گوالوں کے قبضے کا بھی اعتراف کیا گیا۔

> انجمن نے ایسی مزید ۵۵ جگہوں کی نشاندہی کی ہے جہاں جبریہ قبضے ہوئے ہیں اس نے حکومت کو ان عبادت گاہوں کی بھی فہرست دی ہے۔ ان مسجدوں میں کارخانے بنادیئے گئے ہیں کلب کھل گئے ہیں۔ انہیں توڑ کر میدان میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

انجمن فلاح مساجد کے فضل حق زمان نے حکومت سے دو سوال پوچھے۔ ایک یہ کہ کلکتہ میں کتنی مسجدوں، عیدگاہوں، قبرستانوں اور وقف جائیدادوں پر لوگوں نے قبضہ جمایا ہے دوسرے یہ کہ ان عبادت گاہوں سے قبضہ ہٹانے میں حکومت کا کیا رول رہا ہے؟ ان سوالوں کے جواب میں عدالتی معاملات کے وزیر نے اعتراف کیا تھا کہ ۵۴ مساجد پر جبرا قبضے ہوئے ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ان عبادت گاہوں پر جبرا قبضہ کئے ہوئے لوگوں کو یہاں سے ہٹانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ لیکن وقف کمشنر کی ہدایات سے متعلق جائیدادوں پر قبضہ پانے کے لئے قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

جیوتی بسو

انجمن نے ایسی مزید ۵۵ جگہوں کی نشاندہی کی ہے جہاں جبریہ قبضے ہوئے ہیں اس نے حکومت کو ان عبادت گاہوں کی بھی فہرست دی ہے۔ ان مسجدوں میں کارخانے بنادئے گئے ہیں۔ کلب کھل گئے ہیں۔ انہیں توڑ کر میدان میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ کچھ میں جوئے کے اڈے چل رہے ہیں اور کچھ میں دوسری عیاشیاں ہورہی ہیں۔ بائیں بازو کی حکومت نے اس مسئلے کو سلجھانے کی کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہوا یہ کہ مقامی طور پر کمیونسٹ ورکروں نے پولیس کی دھمکی دیکر یا دوسرے طرح کا ڈر دکھا کر مسلمانوں کو ان مسجدوں سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ جہاں قبضہ ہوگیا ہے وہاں سے ہٹایا نہ جائے اور اگر کوئی مسلمان ان قبضوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو اس کی آواز بند کردی جائے۔ وزرا بھی اس میں ملوث نظر آتے ہیں۔ تقریبا سات آٹھ برس قبل ایک ریاستی وزیر نے ٹالی گنج کی ایک مسجد پر قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے آدمیوں نے رات میں جاکر مسجد میں تالا ڈال دیا تھا اور مسجد کے امام کو ڈرا دھمکا کر بھاگنے پر مجبور کردیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے جب کافی شور شرابہ، ہنگامہ اور احتجاج ہوا تب جاکر وزیر نے اپنا تالا ہٹوایا اور اس طرح ایک مسجد پر قبضہ کرنے کی اس کی ناپاک کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

انجمن فلاح مساجد نے اپنے قیام کے وقت سے ان مسجدوں کی باز آبادکاری، ان کی آزادی اور ان میں از سر نو نماز شروع کرنے کی کوششیں کیں اس میں اسے بہت حد تک کامیابی بھی ملی۔ انجمن سات مسجدوں پر سے ناجائز قبضے ہٹانے میں کامیاب رہی۔ لیکن وقف بورڈ ہمیشہ اس کی کوششوں کے آڑے آتا رہا اور اس نے مسجدوں کی آزادی میں ہمیشہ رخنہ اندازی کی۔ اسی طرح حکومت کا رویہ بھی اس سلسلے میں انتہائی تکلیف دہ اور تشویشناک ہے۔ البتہ مقامی لوگوں نے مسلمانوں کا تعاون کیا۔ لیکن کچھ لوگ اسے فرقہ وارانہ رنگ دینے کی جدوجہد میں بھی رہتے ہیں۔ اگر حکومت نے مسجد پر سے ناجائز قبضے نہیں ہٹوائے یا مسلمانوں کی کوششوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا تو ایک دن حالات انتہائی خراب ہوجائیں گے اور کمیونسٹ رہنما جیوتی بسو کو اپنی حکومت سے بھی ہاتھ دھونا پڑجائے گا۔ —

کیا پاکستان چین کی ایک تجربہ گاہ میں اپنے ایٹم بم کا دھماکہ کر چکا ہے

پاکستان کی نیوکلیائی تیاری میں چین کے تعاون اور امریکہ کی دھمکیوں کا ایک جائزہ

پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہمیشہ کسی نہ کسی طرح موضوع بحث بنا رہتا ہے۔ خاص طور سے ہندوستان میں اس پر ہر وقت بحث ہوتی رہتی ہے۔ حالیہ دنوں میں اس تعلق سے یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ چین نے کس حد تک پاکستان کی ایٹمی ہتھیار بنانے میں مدد دی ہے اور امریکہ کس قدر اس بات سے واقف رہا ہے۔ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ امریکہ آغاز سے ہی یہ جانتا رہا ہے کہ چین پاکستان کو ایٹمی ہتھیار بنانے میں مدد دے رہا ہے لیکن اس کے باوجود اس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ چین سے معاشی تعلقات استوار کرتا رہا اور پاکستان کی فوجی و معاشی مدد کرتا رہا حالانکہ اس کی پالیسی یہ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کی توسیع کو روکا جائے۔

۱۹۶۵ء میں ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیر توانائی تھے۔ اس حیثیت میں ۱۹۶۵ء ہی میں انہوں نے چین کا دورہ کیا تھا۔ انہوں نے چین سے ایک ری پروسیسنگ پلوٹینم پلانٹ کے قیام میں مدد مانگی تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب ہندوستان اپنے ایٹمی پروگرام میں ابتدائی کامیابیوں سے ہمکنار ہو رہا تھا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے بارے میں پاکستان کا جوابی اقدام فطری تھا۔ چونکہ اس وقت اور آج بھی چین کی پالیسی یہ ہے کہ نیوکلیر ہتھیاروں پر چند ممالک کی اجارہ داری ختم کی جائے اور اس ضمن میں ان ممالک کی مدد کی جائے جو ایٹمی ہتھیار بنانا چاہتے ہیں، اس لیے پاکستان نے فطری طور پر بیجنگ کا رخ کیا۔ امریکہ اس امر سے باخبر تھا۔ لیکن اس نے پاکستان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

بے نظیر بھٹو

کہوٹہ میں واقع پاکستان کا نیوکلیائی ری ایکٹر

بھٹو نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو مکمل کرنے کے لئے ان پاکستانی سائنسدانوں کو پاکستان بلانا شروع کردیا جو اس میدان میں ماہر تھے اور باہر ملکوں میں کام کررہے تھے، چنانچہ سب سے پہلے منیر احمد خاں لائے گئے جو پاکستان ایٹمی انرجی کمیشن کے چیئرمین بنادئے گئے۔ انہوں نے چین کے ساتھ مغربی ممالک سے بھی استفادہ کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اپنی کوششوں سے ۱۹۷۶ء میں فرانس سے ایک ری پروسیسنگ پلانٹ پر گفتگو کا آغاز کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گفتگو کامیاب ہوجائے گی تب امریکی صدر جمی کارٹر نے مداخلت کی اور پاکستان فرانس سے اپنے ایٹمی پروگرام میں کوئی مدد حاصل نہ کرسکا۔

۱۹۷۷ء میں بھٹو کو پھانسی کے بعد مرحوم صدر ضیاء الحق نے ان کے ایٹمی پروگرام کو مزید شد و مد سے جاری رکھا۔ پاکستان نے اب اپنے پروگرام میں ذرا تبدیلی کی اور مشہور زمانہ سائنسداں عبدالقدیر خاں کو جو ۱۹۷۵ء میں پاکستان آچکے تھے، ایک نئے انداز سے کام کرنے کو کہا۔ خان پر الزام ہے کہ وہ مغرب سے ایٹمی راز چوری کرکے لائے۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ وہ وہاں سینٹر پوزیشن پر کام کرنے کی وجہ سے ان رازوں سے واقف تھے۔ ان کی اسی اہمیت کی وجہ سے پاکستان نے انہیں وطن واپس بلایا تھا۔

عبدالقدیر خان کو پاکستانی ایٹم بم بنانے میں کافی دشواری پیش آئی۔ مغرب نے ہر قدم پر رکاوٹیں پیدا کیں جبکہ چین نے ہر موقع پر مدد کی۔ ۱۹۷۹ میں روس نے افغانستان پر قبضہ کرلیا جس کی وجہ سے دنیا کا فوجی منظرنامہ بدل گیا۔ اب پاکستان ایک بار پھر امریکی توجہ کا مرکز بن گیا اور اسے نہ صرف فوجی و معاشی امداد ملی بلکہ امریکہ نے اس کے ایٹمی پروگرام سے بھی صرف نظر کیا۔ چنانچہ ایک اندازے کے مطابق عبدالقدیر خان ۱۹۸۷ میں پاکستانی بم بنانے میں کامیاب ہوگئے۔

آج کل کہا جارہا ہے کہ اگرچہ پاکستان نے اپنے ملک میں ایٹمی دھماکہ نہیں کیا ہے لیکن اس کے بنائے ہوئے ایک بم کا چین کی ایک دھماکہ گاہ میں کامیاب تجربہ کیا جاچکا ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ آج کل پاکستانی و چینی سائنسداں کئی ایٹمی پروجیکٹوں پر کام کررہے ہیں اور اس نے پاکستان کو ایسے بہت سے ایٹمی سامان فراہم کئے ہیں جنکی خرید و فروخت پر پابندی ہے۔ امریکہ کو یہ سب معلوم ہے لیکن چین سے بہت زیادہ اچھے معاشی تعلق کی وجہ سے وہ اس کے خلاف زبانی دھمکیاں تو دے سکتا ہے مگر کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے قاصر ہے۔ دنیا کا فوجی توازن آج کچھ اس طرح ہے کہ چین اور پاکستان ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔

> آج کل پاکستانی و چینی سائنسداں کئی ایٹمی پروجیکٹوں پر کام کررہے ہیں اور اس نے پاکستان کو ایسے بہت سے ایٹمی سامان فراہم کئے ہیں جنکی خرید و فروخت پر پابندی ہے۔ امریکہ کو یہ سب معلوم ہے لیکن چین سے بہت زیادہ اچھے معاشی تعلق کی وجہ سے وہ اس کے خلاف زبانی دھمکیاں تو دے سکتا ہے مگر کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے قاصر ہے۔

ٹائسن پر جنسی چھیڑ چھاڑ کا ایک اور الزام حقیقت یا کردار کشی کی کوشش

یہ الزام ٹائسن کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے کی مہم کا ایک حصہ تو نہیں

شہرت اور دولت جسے دونوں مل جائیں وہ اکثر خود کو سنبھال نہیں پاتا۔ اسی طرح بعض لوگ اس قدر حاسد ہوتے ہیں کہ وہ کسی کی شہرت اور دولت کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایک تیسری قسم ان لوگوں کی ہے کہ جو دوسروں کی شہرت پر کیچڑ اچھال کر اپنی "شہرت" کا سامان کرتے ہیں۔ حال ہی میں ایک نامعلوم امریکی خاتون نے ملک عبدالعزیز عرف مائک ٹائسن پر جنسی حملے کا الزام لگاکر یہی کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی ہے۔

ٹائسن ۲۲ سال کی عمر میں دنیا کے سب سے کم عمر باکسنگ کے ورلڈ چیمپین بن گئے۔ اس چیمپین شپ سے انہیں شہرت اور دولت بھی خوب ملی۔ لیکن چند سال قبل ڈیزائری واشنگٹن نامی ایک سیاہ فام طالبہ نے ان پر الزام لگایا کہ ٹائسن نے ان کے ساتھ اس وقت زناکاری کی تھی جب وہ سیاہ فاموں کی خوبصورتی کے مقابلے میں حصہ لے رہی تھی۔ ٹائسن نے اس واقعے سے انکار نہیں کیا لیکن ان کا کہنا تھا کہ یہ جبری زنا نہیں بلکہ دونوں کی مرضی سے ہوا جنسی عمل تھا۔ لیکن کورٹ نے ٹائسن کو مجرم گردانتے ہوئے تین سال کے لئے جیل بھیج دیا۔ ایک سال قبل ہی ٹائسن یہ سزا بھگت کر جیل سے باہر آئے ہیں۔

ڈیزائری واشنگٹن والے واقعے میں ایک تاثر یہ تھا کہ ان خاتون نے پہلے ٹائسن کے ساتھ اپنی مرضی سے سیکس کیا اس امید پر کہ مشہور باکسر اپنی شہرت و دولت کے ساتھ ان کا ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے زنا کا الزام لگاکر ٹائسن کو جیل بھجواکر ان سے انتقام لے لیا۔

> پولیس نے کہا کہ اس نے ابھی ٹائسن کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا ہے اور الزام کی بس تحقیق کررہی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹائسن کا اسلام لانا بھی بعض لوگوں کو ناگوار گزرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف بہانوں سے انہیں بدنام کرکے اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حالیہ واقعہ اس سے بھی کہیں زیادہ مشکوک ہے۔ الزام لگانے والی خاتون، جس کا نام مخفی رکھا جارہا ہے، کا کہنا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شام گزارنے ایک کلب گئیں تو وہاں ٹائسن بھی موجود تھے۔ انہوں نے بوسہ لیتے ہوئے ان کے گالوں پر زور سے کاٹ لیا جس سے وہ زخمی ہوگئیں۔ اس واقعے کے بعد وہ ایک پرائیویٹ نرسنگ ہوم گئیں جہاں ان کا علاج ہوا۔ اس کے دو دن بعد، جب وہ اسپتال سے خارج ہوئیں، انہوں نے پولیس کو بلاکر اس واقعے کی اطلاع دی، اور دوسرے دن باقاعدہ پولیس میں شکایت درج کردی۔

لیکن کلب میں کام کرنے والوں نے اس الزام کو بے بنیاد بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹائسن جس وقت کلب میں داخل ہوئے، اس وقت ان کے ساتھ کلب کے دو سیکورٹی گارڈ کردئے گئے۔ ان گارڈوں کا کہنا ہے کہ ٹائسن نے کسی بھی خاتون کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور ہوا کہ ایک خاتون ٹائسن سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ سیکورٹی والوں نے انہیں روکا تو ٹائسن نے کہا کہ آنے دو۔ اس کے بعد چند رسمی باتیں ہوئیں اور معاملہ ختم ہوگیا۔

محمد علی کلے اور ملک عبدالعزیز: ان دونوں کا قبول اسلام اسلام دشمن برداشت نہیں کرپارہے ہیں

ہوٹل انتظامیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ان خاتون کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تھی تو انہیں آس پاس موجود کئی پولیس والوں سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔ ان کا ایسا نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ خاتون اس الزام تراشی سے کچھ اور ہی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

لیکن خاتون کے خلاف سب سے زیادہ یہ بات جاتی ہے کہ خود ان کے ساتھ کام کرنے والی ٹیمی بیٹی، جو کلب میں بھی ان کے ساتھ تھیں، انہوں نے اس الزام کو بے بنیاد بتایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ شہرت اور دولت کمانے کا یہ طریقہ انہیں پسند نہیں ہے۔ انہوں نے واقعے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ وہی الزام لگانے والی خاتون کو کلب لے گئی تھیں اور انہوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا جو کہ اب کہا جارہا ہے۔ نائٹ کلب کے باہر ایک پریس کانفرنس

باقی صفحہ ۱۲ پر

سیاسی پارٹی بنانے کا اعلان اور کینسر اسپتال میں وحشیانہ بم دھماکہ

کیا عمران کی مقبولیت سے خائف سیاسی مخالفین انہیں راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں

عمران خان کی سیاست میں مجوزہ آمد اور کینسر اسپتال میں دھماکے کے عوامل و مضمرات کا ایک بھرپور جائزہ

عمران خان کبھی اپنے بروقت بیانات یا اقدامات سے اخبارات کی شاہ سرخیوں میں رہتے ہیں اور کبھی "لوگ" خصوصاً ان کے مخالفین اپنے طرز عمل سے انہیں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنائے رہتے ہیں۔ دونوں ہی صورتوں میں فائدہ، خاص طور سے سیاسی فائدہ عمران کا ہوتا ہے۔

۱۴ اپریل کو عمران خان نے ایک بیان میں بالآخر اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا کہ وہ بہت جلد ایک سیاسی جماعت تشکیل دینے والے ہیں۔ اس اعلان کے ایک ہی روز بعد ان کے کینسر اسپتال میں ایک زبردست بم دھماکہ ہوا جس میں کم از کم ۵ افراد ہلاک ہوگئے اور درجنوں زخمی۔ ہلاک شدگان میں ایک ۱۲ سالہ بچہ بھی تھا جو دو دوسرے افراد کے ساتھ بم دھماکے کے بعد لگنے والی آگ سے جل کر ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔

اطلاعات کے مطابق بم ویٹنگ روم میں ایک صوفے کے نیچے تھا۔ ایک دوسری اطلاع کے مطابق غسل خانے میں رکھا گیا تھا اور بے نظیر بھٹو کے مطابق ایک لاری میں رکھا ہوا تھا۔ عمران کے بعض سیاسی مخالفین نے یہ خبر مشتہر کرنے کی ناکام کوشش کی کہ دھماکہ ائر کنڈیشننگ نظام میں خرابی کی وجہ سے ہوا۔

ظاہر ہے اس دھماکے کے بعد ملک و بیرون ملک نہ صرف اس کی مذمت ہوئی بلکہ لوگوں نے عمران اور ان کے مشن کے تئیں مزید ہمدردی کا اظہار کیا۔ ملک کے سیاسی و سماجی و مذہبی کارکنوں اور رہنماؤں نے تو اپنی یکجہتی کا اظہار کیا ہی، دنیا کے بہت سے اہم لوگوں نے بھی اس المیے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے عمران کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا۔ لندن سے شہزادی ڈیانا نے اپنے دوست عمران سے ٹیلی فون پر بات کی اور بعد میں ایک بیان کے ذریعہ دھماکے میں ہلاک ہونے والوں سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

فطری طور پر پاکستانی و بین الاقوامی پریس نے اس دھماکے کو سیاسی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ عمران کے حامیوں کو یقین ہے کہ اس بم کا نشانہ اصلاً وہ خود تھے۔ دراصل بم پھٹنے کے وقت پہلے سے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق عمران کو اسپتال میں موجود ہونا تھا کیونکہ بعض تاجران زر تعاون کے ساتھ اسپتال میں عمران سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر بعض دوسرے کاموں کی وجہ سے عمران نے یہ پروگرام منسوخ کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ دھماکے کے وقت موجود نہیں تھے۔ لیکن اگر عمران بذات خود بم کا نشانہ نہ بھی رہے ہوں تو کم از کم اس کے ذریعے انہیں وارننگ دی گئی ہے کہ سیاست میں قدم رکھا تو اچھا نہیں ہوگا۔

ظاہر ہے اس دھماکے کے بعد عمران کے تئیں ہمدردی میں اضافہ کے ساتھ ان کی مقبولیت کا گراف بھی مزید اونچا ہو گیا۔ جہاں اس سے عمران کو سیاسی فائدہ پہونچا وہیں ان کی کٹر مخالف بے نظیر کو سب سے زیادہ سیاسی نقصان پہونچا۔

یہی وجہ ہے کہ اس نقصان کو کم کرنے کے لئے بے نظیر نے فوری سیاسی اقدام کیا۔ وہ بذات خود اسپتال کے معائنے کے لئے گئیں جہاں انہوں نے اس واقعے کی کھل کر مذمت کرتے ہوئے اسے اپوزیشن والوں کی بزدلانہ کارروائی قرار دیا جو لاہور اور پاکستان کے دوسرے علاقوں میں امن و امان درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ بے نظیر نے اسپتال میں تقریباً آدھا گھنٹہ گزارا اور پنجاب حکومت کو ہدایت کی کہ اس کی حفاظت کے انتظامات مزید سخت کر دئے جائیں۔

عمران اس وقت اسپتال میں نہیں تھے جب بے نظیر وہاں دورے پر آئیں۔ اس وقت وہ جناح اسپتال میں زخمیوں سے مل کر ان کے ساتھ اظہار ہمدردی و یکجہتی کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "یہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا۔ ایک اسپتال پر بم سے حملہ کوئی جانور یا وحشی ہی کر سکتا ہے۔" بے نظیر کے دورے کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ محض اخبارات کی زینت بننے کے لئے تھا۔

صرف عمران ہی نہیں بے نظیر سے دوسرے افراد بھی خفا نظر آئے۔ اسپتال کے ایک ملازم نے غالباً سب کے جذبات کی ترجمانی یہ کہہ کر کر دی کہ ٹیلی ویژن پر ہمارے اشتہار پر پابندی لگا کر بے نظیر حکومت نے ہمارے لئے مسائل کھڑے کئے ہیں اور اب ہمدردی جتانے آگئیں۔ دراصل جب سے عمران نے بے نظیر اور دوسرے پاکستانی سیاستدانوں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے وہ سب ان کے کسی نہ کسی درجے میں مخالف ہو گئے ہیں۔ چونکہ سب سے بڑا خطرہ ان سے بے نظیر کو ہے اس لئے وہ عمران کی سب سے زیادہ مخالف ہیں۔ انہوں نے ٹیلی ویژن پر اسپتال کے اشتہار پر پابندی لگا کر زر تعاون حاصل کرنے میں کافی دشواریاں کھڑی کردی ہیں۔

کینسر اسپتال میں تباہی کا منظر اور عمران خان وحشت ناک تباہی کا جائزہ لیتے ہوئے ——— کیا اس اقدام سے سیاست میں عمران کے قدم کو روکا جاسکتا ہے

> پاکستانی و بین الاقوامی پریس نے اس دھماکے کو سیاسی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ عمران کے حامیوں کو یقین ہے کہ اس بم کا نشانہ اصلاً وہ خود تھے دراصل بم پھٹنے کے وقت پہلے سے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق عمران کو اسپتال میں موجود ہونا تھا مگر بعض دوسرے کاموں کی وجہ سے عمران نے یہ پروگرام منسوخ کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ دھماکے کے وقت موجود نہیں تھے

اگر بم دھماکے کا مقصد عمران کو سیاست میں آنے سے روکنا تھا تو اس میں ان کے مخالفین کو ناکامی ہوئی ہے۔ عمران کی شریک حیات جائقہ خان نے لندن میں بی بی سی کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ان کے شوہر ایک آدھ ہفتے میں اپنی سیاسی پارٹی کا اعلان کر دیں گے۔ لیکن عمران سے قریب دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ وہ ایسا مئی میں کریں گے۔ بعض ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ عمران ابھی یہ نہیں طے کر پائے ہیں کہ انہیں کوئی سیاسی جماعت تشکیل دینی چاہئے یا کوئی سماجی اصلاح کی تنظیم۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ عمران ایک سیاسی جماعت ہی لانچ کریں گے۔

عمران نہ صرف ذہین ہیں بلکہ وہ ایک تنقیدی ذہن بھی رکھتے ہیں۔ جب وہ کرکٹر تھے تو انہیں پاکستانی کرکٹ بورڈ اور پاکستان میں کرکٹ کے نظام سے سخت شکایات تھیں اور اب جب انہوں نے کوچہ سیاست میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے تو انہیں پاکستان کا سیاسی و سماجی ڈھانچہ غلط نظر آرہا ہے۔ عمران دراصل پاکستان کے جاگیردارانہ نظام کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے بقول پاکستان کے بیشتر مسائل کی جڑ یہی نظام ہے۔

پاکستانی سیاست پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ بے نظیر کا تعلق جاگیرداروں سے اور اپوزیشن لیڈر نواز شریف کا سرمایہ داروں سے ہے۔ عمران ان دونوں ہی کے سخت ناقد ہیں۔ لیکن نواز شریف نے کبھی پلٹ کر عمران کو جواب نہیں دیا ہے۔ جبکہ بے نظیر حکومت نے عمران کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی ہیں۔ پاکستانی ٹیلی ویژن پر اسپتال کے اشتہار پر پابندی اسی انتقام کی ایک کڑی ہے۔

> پاکستانی سیاست پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ بے نظیر کا تعلق جاگیرداروں سے ہے اور اپوزیشن لیڈر نواز شریف کا سرمایہ داروں سے ہے۔ عمران ان دونوں ہی کے سخت ناقد ہیں۔ لیکن نواز شریف نے کبھی پلٹ کر عمران کو جواب نہیں دیا ہے۔ جبکہ بے نظیر حکومت نے عمران کے خلاف انتقامی کاروائیاں کی ہیں۔ پاکستانی ٹیلی ویژن پر اسپتال کے اشتہار پر پابندی اسی انتقام کی ایک کڑی ہے۔

عمران شروع میں اپنے اسپتال کے لئے چندہ مغرب کے انداز پر کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار وہ ہندوستان کے بعض فلمی اداکاروں کو بھی اسی غرض سے بلانے والے تھے۔ اس بات کا علم جب جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد صاحب کو ہوا تو انہوں نے عمران کو اس سے باز رہنے اور ایک دوسرا انداز اختیار کرنے کو کہا۔ قاضی صاحب نے عمران کو اپنے عوام کے سامنے کشکول لیکر جانے پر آمادہ کر لیا اور کہا کہ ان کی سماجی تنظیم پاسبان اس مقصد کے لئے عوامی جلسوں کا اہتمام کرے گی۔

بالآخر پاسبان نے ایسے جلسوں کا اہتمام کرنا شروع کر دیا جس میں عوام نے بھرپور حصہ لیا۔ ان کا کرکٹ ہیرو اسلام کا ہیرو بن گیا تھا۔ وہ تقریروں میں اسلام کا نام کھل کر لیتا اس کے محاسن گنواتا اور نوجوانوں کو اسلامی تہذیب سے وابستہ ہونے کی تلقین کرتا۔ اکثر اجتماعات میں عمران سے سیاست میں آنے کی اپیل کی جاتی لیکن عمران نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ سیاست کے بجائے سماجی و رفاہی خدمات انجام دینا پسند کریں گے۔ لیکن اکثر لوگوں نے، خاص طور سے بے نظیر اور ان کے حامیوں کو عمران کے بیانات پر یقین نہیں آیا۔ انہیں ہمیشہ یہ ڈر رہا کہ عمران ایک دن ضرور سیاست میں آئے گا۔ وہ عمران کو بدنام بھی کرتے کہ وہ ہمیشہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ اور ہیں۔ وہ کہتے تو ہمیشہ یہ رہے کہ شادی کسی پاکستانی سے کریں گے مگر کی تو جمیمہ سے۔ صرف بے نظیر کے حامی ہی نہیں غیر جانبدار مبصرین کا خیال بھی یہی تھا کہ عمران کا ہر کام اور ہر بیان بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خود عمران کا کہنا ہے کہ لوگوں کو ان کے رفاہی کاموں میں بھی سیاسی معانی تلاش کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔

قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی پاکستان

سچ کچھ بھی ہو، بروقت سچائی یہ ہے کہ عمران خان بالآخر سیاست میں آہی گئے۔ وہ بہت جلد اپنی پارٹی کے نام اور اس کے عہدیداروں کا اعلان کرنے والے ہیں۔ کسی کو عمران کی صلاحیتوں کے بارے میں شبہ نہیں ہے۔ اس وقت پاکستان میں ان کے اجتماعات میں سب سے زیادہ بھیڑ ہوتی ہے جو اکثر ان سے سیاست میں آنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ عوام میں ان کی اسی مقبولیت سے بے نظیر اور دوسرے روایتی سیاستداں خائف ہیں خاص طور سے جاگیردار حضرات۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ سیاست کی پچ پر عمران کیسی بیٹنگ اور بولنگ کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ نے شارجہ میں برصغیر فتح کرلیا

نگاہیں فائنل میچ پر ہوں اور صلاحیتیں میدان میں تو سخت مقابلہ بھی آسان ہوجاتا ہے

ورلڈ کپ ختم، سنگر کپ اور شارجہ پیپسی کپ کی دلچسپیاں اور رونقیں بھی ختم۔ اب اکتوبر میں شارجہ ٹرافی تک کوئی ایسا انٹرنیشنل ٹورنامنٹ ہونے والا نہیں جس میں ہندوستان اپنی ساکھ بحال کرسکے یا ثابت کرسکے کہ وہ بھی ون ڈے میچوں کا بڑے پیمانہ پر نہ سہی چھوٹی سطح پر راجہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ۹۶۔۱۹۹۵ کے سیزن میں یہ تین بڑے ٹورنامنٹ ہوئے جس میں برصغیر کی دو ٹیموں نے تو اپنا لوہا منواتے ہوئے ایک نے خود کو کرکٹ کی نئی سپر پاور کی حیثیت سے تسلیم کرایا اور دوسری نے ورلڈ کپ ہارنے کے بعد سنگر کپ جیت کر اپنا احساس محرومی ختم کیا لیکن برصغیر کی تیسری ٹیم یعنی ہندوستان نہ تو کلکتہ کے ایڈن گارڈن سانحہ سے اپنے اوپر بدنامی کا لگا داغ دور کرسکی اور نہ ہی ان تینوں میں سے کوئی ٹورنامنٹ جیت سکی۔ ورلڈ کپ سری لنکا میں جانے اور سنگر کپ کی پاکستان روانگی کے بعد ہندوستان کو اپنی ساکھ بحال کرنے کا آخری موقع شارجہ میں حال ہی میں ختم ہوئے پیپسی کپ میں ملا تھا لیکن یہاں بھی اسے جنوبی افریقہ سے منہ کی کھانی پڑی اور کپ تو دور کی بات کوئی انفرادی انعام بھی نہ لاسکی۔ جبکہ تین انفرادی انعام جنوبی افریقہ کو اور ایک پاکستان کو مل گیا۔ جنوبی افریقہ کے گیری کرسٹن نے "مین آف دی ٹورنامنٹ" اور ٹورنامنٹ کے بہترین بلے باز کا ایوارڈ حاصل کیا۔ بہترین بالر کا ایوارڈ بھی جنوبی افریقہ کے ہی کریگ میتھیوز کو ملا اور تیز ترین ہاف سنچری مارنے کا ایوارڈ پاکستان کے وکٹ کیپر راشد لطیف لے اڑے۔ بہترین فیلڈر کا ایوارڈ بھی جنوبی افریقہ کے گیری کرسٹن نے حاصل کیا۔

درحقیقت دیکھا جائے تو دنیائے کرکٹ سے ۲۱ سالہ جلاوطنی کے بعد پھر سے اپنی واپسی سے اب تک اس نے منڈیلا ٹرافی کے بعد دوسرا بڑا ٹورنامنٹ جیتا ہے۔ وہ شارجہ میں پہلی بار کھیلنے آیا اور اس کپ کے فائنل میں ہندوستان کو ہرا کر اپنی یہ بدقسمتی دور کرلی کہ وہ ہر بڑے ٹورنامنٹ کے ناک آؤٹ مرحلہ میں آتے ہی باہر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ۱۹۹۲ کے ورلڈ کپ میں وہ تمام ٹیموں کو بری طرح پسپا کرتا ہوا سیمی فائنل میں پہنچا لیکن وہاں بارش سے متاثرہ میچوں سے متعلق ضابطوں نے اس کا وحشیانہ قتل کردیا اور اسے انگلینڈ کے خلاف ایک بال پر ۲۲ رنز بنانے کا نشانہ دیا گیا جو کہ کالے جادو کے زور سے بھی پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی طرح ۱۹۹۶ء کے ورلڈ کپ میں بھی پانچوں لیگ میچ جیت کر کوارٹر فائنل ناک آؤٹ مرحلہ میں پہنچتے ہی صرف ایک روز کی ویسٹ انڈیز کی اچھی کارکردگی کی بدولت ٹورنامنٹ سے باہر ہوگیا۔ لیکن شارجہ میں اس نے اپنی اس بدقسمتی کے سایہ سے چھٹکارا پالیا اور پہلے چاروں لیگ میچ جیتنے کے بعد فائنل کھیلنے کے لیے جنوبی افریقہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ذہنوں سے ان چاروں میچوں کی فتوحات کو نکال دیا اور فائنل کو پہلا میچ سمجھ کر کھیلا کیونکہ دونوں ورلڈ کپ کے ناک آؤٹ میچوں کے نتائج ان کے ذہنوں میں تازہ تھے۔

اس کے باوجود فائنل میں کپتان محمد اظہرالدین کے شاندار کیچ سے جس طرح جنوبی افریقہ نے ہڈسن کی شکل میں اپنا پہلا وکٹ گنوایا اس سے ان کو اپنی باری سنبھالنے، سنوارنے اور سجانے کا خیال آیا اور اپنے خوبصورت کھیل سے افریقیوں نے دنیائے کرکٹ اور شائقین کو یہ جتادیا کہ بھلے ہی ان کے پاس دوسرے ملکوں بالخصوص پاکستان، ہندوستان اور آسٹریلیا جیسے تجربہ کار بلے باز یا گیند باز نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے پاس تندولکر، اظہر، لارا، انضمام، اکرم، وقار یونس اور کمبلے جیسے ستارے ہیں پھر بھی ان کے پاس فیلڈنگ ایک ایسا ہتھیار ہے جو دنیا کے دمکتے ستاروں کے کھیل کو بھی ماند کردیتا ہے اور فیلڈنگ ہی ایک ایسا شعبہ ہے جو ایک اچھی ٹیم اور ایک عظیم ٹیم کے درمیان لکیر کھینچتی ہے۔ جس طرح غیر ملک میں آکر ان مٹھی بھر سفید فاموں نے اپنی شاطرانہ حکمت عملی سے عرصہ دراز تک عنان حکومت تھام کر سیاہ فاموں کو اپنا غلام بنائے رکھا اسی طرح شارجہ جیسے غیر ملک میں بھی پہنچ کر ان گیارہ کھلاڑیوں نے ہندوستان اور پاکستان کے ۲۲ کھلاڑیوں کو اپنی ذہانت اور چالوں سے اس بری طرح پسپا کیا کہ اس وقت ان دونوں ملکوں کے کھلاڑی اپنے زخم چاٹنے میں اور جنوبی افریقہ کے کھلاڑی اپنی ٹیم کا جشن فتح منانے میں مصروف ہیں۔

ساؤتھ افریقہ کے کپتان۔ پیپسی کپ کے ساتھ

ورلڈ کپ پھر سنگر کپ اور اس کے بعد شارجہ کپ کا ہر میچ بغور دیکھنے سے ایک بات ضرور سامنے آئی کہ جنوبی افریقہ کے کھلاڑی کرکٹ کو شرفاء کا کھیل سمجھ کر بڑے شریفانہ مگر انتہائی پروفیشنل طور پر کھیلتے ہیں اور خراب سے خراب حالات میں بھی نہ تو جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ ہی اپنا دماغی توازن کھوتے ہیں بلکہ برے حالات سے اچھے حالات پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس ہندوستان اور پاکستان کے کھلاڑیوں میں تحمل و برداشت اور حالات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہے۔ دونوں ملکوں کے کھلاڑی جب تک میدان میں رہتے ہیں ایک دوسرے پر لعن طعن اور فقرے چست کرتے رہتے ہیں۔ بنگلور میں عامر سہیل اور وینکٹیش پرساد میں تلخ کلامی کے بعد شارجہ میں بھی ایسا ہی تکلیف دہ واقعہ رونما ہوا آخری لیگ میچ میں سدھو کو جو فطرتاً خاموش طبع اور ہر بات پی جانے والا کھلاڑی مانا جاتا ہے عامر کی مسلسل فقرے بازیوں پر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا اور بیٹ لے کر عامر سہیل کی طرف دوڑا۔ جبکہ

تحریر: اجمل حسین

جنوبی افریقہ کے کھلاڑیوں کی تمام تر توجہ صرف اپنے کھیل، اپنی خامیوں کو دور کرکے حریف کھلاڑیوں کی خامیوں کو تلاش کرنے پر مرکوز رہی دوسرے یہ کہ انہوں نے اپنے فرصت کے تمام اوقات صرف فیلڈنگ پریکٹس میں صرف کیے تھے۔ ایشیائی کھلاڑیوں کی تن آسانی اور چٹورے پن کی یہ انتہا تھی کہ روز صبح سات ساڑھے سات بجے جنوبی افریقہ کے کھلاڑی پریکٹس کے لئے جاتے نظر آتے تھے لیکن ہندوستان و پاکستان کے کھلاڑی پیٹ پوجا میں مصروف نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں ٹیمیں تو چند مخصوص کھلاڑیوں پر ہی انحصار کرتی رہیں جہاں ان مخصوص کھلاڑیوں نے ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کیا ٹیم بھی لڑھک گئی یعنی تندولکر ہندوستانی ٹیم تھے اور وقار پاکستانی ٹیم بنے ہوئے تھے جبکہ جنوبی افریقہ کی ٹیم پورے گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل تھی اور ہر کھلاڑی نے اپنی ٹیم کی مسلسل کامیابیوں میں برابر کا کردار ادا کیا۔ فیلڈنگ میں ہر کھلاڑی اس قدر مستعد نظر آیا گویا گیند پہنچنے سے قبل ہی کھلاڑی وہاں اگ آیا ہو۔

اس ٹورنامنٹ میں جنوبی افریقہ نے کرکٹ ملکوں کو دو چیزیں خاص طور پر دی ہیں ایک تو یہ کہ وہ پہلا رن اس قدر تیزی سے لیتے ہیں کہ دوسرا رن پہلا رن محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر ون ڈے میچ میں پونے تین سو سے کم اسکور نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ فیلڈنگ کرتے وقت بالر یا وکٹ کیپر فیلڈر اور وکٹوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے جس سے رن آؤٹ کرنا زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

بلبل ہند سے بینڈٹ کوئین تک۔ خاتون سیاستدانوں کے بدلتے چہرے

مردوں کی سیاست میں آئی اقدار کی زوال پذیری سے قطع نظر اگر خاتون سیاستدانوں کے سیاسی اقدار کی زوال پذیری پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دوسری جنس بھی سیاسی بداعمالیوں میں ملوث ہوگئی ہے۔ اسے جمہوریت کے فیوض و برکات کا نام دیں یا سماجی و سیاسی اقدار کی زوال پذیری کا انعام کہیں، کل جہاں ذی شعور مہذب، تعلیم یافتہ، شریف اور انسانی خوبیوں کے حامل افراد عوام کے نمائندے ہوتے تھے وہیں آج تمام خوبیوں سے مبرا اور ہر قسم کی سماجی برائی سے آراستہ افراد عوامی نمائندگی کررہے ہیں۔

ایک زمانہ وہ تھا جب بلبل ہند سروجنی نائیڈو کو اترپردیش کا گورنر بنانے میں فخر محسوس کیا جاتا تھا اور اب ایک زمانہ یہ آیا ہے کہ پھولن دیوی جیسی شخصیات کو عوامی نمائندہ بناکر فخر و مسرت کا اظہار کیا جارہا ہے۔ سروجنی نائیڈو سے لیکر پھولن دیوی تک خاتون سیاستدانوں کے چہرے میں بتدریج تبدیلی آئی ہے۔ نائیڈو کے بعد ہندوستانی سیاست میں جس خاتون سیاستداں کا باضابطہ داخلہ ہوا تھا وہ اندرا گاندھی تھیں۔ ان کے بعد جو خاتون سیاستداں میدان سیاست میں آئیں ان میں بتدریج ان قدروں کی کمی ہوتی گئی جو آزادی کے بعد کی سیاست میں ضروری خیال کی جاتی تھیں۔

جنوب میں ایم جی راما چندرن کی جانشین جے للتا کی سیاست میں آمد کے بعد حاشیہ برداری کو ایک نئی شکل ملی اور مرد عورت سب ان کی ذلت آمیز حد تک خوشامد اور وہ خود آمرانہ روش پر آگے بڑھتی گئیں۔ جنوب کی ایک اور ریاست آندھرا پردیش میں بھی ایک خاتون سیاستداں کا جنم ہوا ہے اور وہ بھی جے للتا کی طرح ایک فلم اداکار اور سیاستداں کی جانشین ہیں لیکن لکشمی پاروتی کیا گل کھلاتی ہیں اس کا تفصیلی مظاہرہ الیکشن کے بعد ہی ہوگا۔ شمال میں فرقہ پرستی کے عروج کے ساتھ ساتھ سادھوی رتمبھرا اور اوما بھارتی جیسی مسلم دشمن اور اشتعال انگیز سیاستداں مطلع سیاست پر طلوع ہوئیں ان کی شناخت اور سیاست کی اساس ہی مسلم دشمنی ہے۔ بہار میں مافیا آنند سنگھ کی بیوی لولی آنند کی کامیابی ہو یا حالیہ الیکشن میں کمل ناتھ اور اروند نیتام کی بیویوں کو کانگریس کی جانب سے ٹکٹ دیا جانا ہو یہ سب سیاسی اقدار کی زوال پذیری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

پھولن دیوی اپنے حلقے میں رائے دہندگان سے ووٹ مانگتے ہوئے

اترپردیش میں بی ایس پی کی لیڈر اور سابق وزیراعلی مایاوتی نے منہ پھٹ انداز کی سیاست کرکے سیاسی اقدار کی زوال پذیری کو اور آگے بڑھایا ہے۔ لیکن اب ملائم سنگھ نے سابق ڈاکو اور مبینہ طور پر ۲۲ ٹھاکروں کی قاتل چمبل کی وادی کی پروردہ پھولن دیوی کو مرزاپور سے الیکشن لڑواکر ہندوستانی سیاست کے چہرے کو مزید داغدار کردیا ہے۔ دراصل اس میں ملائم سنگھ کی بھی کوئی خاص غلطی نہیں ہے ہندوستانی سیاست جس ڈگر پر جارہی ہے اس میں یہی سب کچھ ہونا ہے۔ شرفا اور مہذب افراد کا توٹا ہوگیا ہے۔ غنڈوں اور غیر سماجی عناصر کی طوطی بولنے لگی ہے۔ سیاسی اقدار کی زوال پذیری یوں ہی جاری رہی تو ہندوستانی جمہوریت کے اس سے بھی زیادہ کڑوے پھل کھانے پر ہمیں مجبور ہونا پڑے گا۔

حزب اللہ کے خلاف اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی سے مغربی ایشیا کے حالات دھماکہ خیز

لبنان پر اسرائیلی حملہ کسی بڑی جنگ کا پیش خیمہ نہ بن جائے

لبنان پر اسرائیلی حملے کے بعد لبنان اور بیروت میں حالات انتہائی دھماکہ خیز ہوگئے ہیں۔ سینکڑوں افراد ہلاک اور لاکھوں گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اس وقت اسپتال مریضوں اور زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں اور بیروت میں چار لاکھ پناہ گزیں آگئے ہیں۔ ایران نواز حزب اللہ گروپ کو "سبق" سکھانے کے لئے اسرائیل نے یہ کارروائی کی ہے۔ واضح ہو کہ حزب اللہ اور اسرائیل میں ایک عرصے سے مقابلہ آرائی چل رہی ہے۔ موقع پاکر حزب اللہ اسرائیل کو نشانہ بناتا رہتا ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ اس نے حزب اللہ کو اس کی کارروائیوں سے باز رکھنے کے لئے یہ حملے کئے ہیں۔ کیا اس کے نتیجے میں ایک بڑی جنگ چھڑ جائے گی جس میں اسرائیل بھی ملوث ہوسکتا ہے۔ اب یہ سوال کھڑا ہو گیا ہے۔

اسرائیل نے ۱۹۸۲ء میں لبنان میں فلسطینیوں کی طاقت کو کچلنے کے لئے ایک زبردست حملہ کیا تھا۔ اس وقت پی ایل او کو بیروت سے نکلنا پڑا تھا۔ لیکن بعد میں حزب اللہ نامی ایک تحریک شروع ہوئی جس نے جنوبی لبنان پر اسرائیلی قبضے کے خلاف جہاد شروع کردیا۔ حزب اللہ کے سرفروشوں نے اسرائیلی فوجی چوکیوں پر جان لیوا حملے شروع کردیے۔ کئی سو اسرائیلی ہلاک ہوگئے اور بالآخر اسے بیروت اور اس کے مضافات سے پسپا ہونا پڑا۔ لیکن اس نے اپنی سرحد سے قریب کے لبنانی علاقے پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ اس کا نام اس نے سیکورٹی زون رکھا۔ اس زون میں موجود شیعہ مسلمانوں کو اس نے وہاں سے نکال کر ایک عیسائی ملیشیا اس کی حفاظت پر مامور کردیا جس کی مدد اسرائیلی فوج بھی کرتی ہے۔ حزب اللہ اس علاقے سے بھی اسرائیلی قبضہ ختم کرنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ اسرائیل پر کیتوشا جیسے معمولی راکٹوں سے حملہ کرتی رہتی ہے۔

جنوبی بیروت میں حزب اللہ کے ٹھکانے پر اسرائیلی بمباری سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے چند افراد

لیکن موجودہ حملہ پہلے سے طے شدہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ۸ اپریل کو اسرائیل نے بغیر کسی اشتعال انگیزی کے برشیت نامی ایک گاؤں پر حملہ کیا جس سے ایک نوعمر بچی ہلاک اور تین دوسرے افراد زخمی ہوگئے۔ اس کے جواب میں حزب اللہ نے اسرائیل پر ایک راکٹ سے حملہ کیا۔ جواباً پھر اسرائیل نے پورے لبنان پر زمین، سمندر اور فضا سے حملہ کردیا۔ گذشتہ بارہ سال میں اس نے پہلی بار بیروت پر بھی حملہ کیا۔

اسرائیل کا موجودہ حملہ بڑی حد تک ۱۹۹۳ء کے اسرائیلی حملے سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اس بار شدت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ۱۹۹۳ء میں بھی اسرائیل کا مقصد جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی کو ڈرانا تھا تاکہ وہ حزب اللہ کو اپنے علاقے سے اسرائیل پر حملہ نہ کرنے دیں۔ موجودہ حملے کا یہ مقصد تو ہے ہی، اسی کے ساتھ اسرائیل لبنانی حکومت اور شام سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ حزب اللہ پر دباؤ ڈال کر اسے اسرائیل کے خلاف حملوں سے باز رکھیں۔ لیکن لبنان اور شام بجا طور پر کہتے ہیں کہ جب تک اسرائیل لبنان کے اقتدار اعلیٰ کی مخالفت کرکے جنوبی لبنان پر قابض ہے، وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کسی بھی لبنانی کو اپنے وطن کو مسلح جدوجہد سے آزاد کرانے کا حق حاصل ہے۔

اسرائیل کی بدنام زمانہ ریاستی دہشت گردی اس وقت اپنے شباب پر ہے۔ اس نے طائر اور دوسرے کئی گاؤوں اور شہروں کے باسیوں کو ایک مختصر نوٹس دیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں تاکہ حزب اللہ کے ٹھکانوں پر حملہ کیا جاسکے۔ اس سے جنوبی لبنان کے باشندوں میں کافی خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ بیروت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق اب تک بیروت میں ۴ لاکھ کے قریب پناہ گزیں آچکے ہیں۔ جو وہاں کی حکومت کے لئے ایک مسئلہ بنتے جا رہے ہیں۔

اب تک سو سے زیادہ افراد ہلاک ہوچکے ہیں لاکھوں بے گھر ہوچکے ہیں۔ ہلاک شدگان میں زیادہ تر شہری اور ان میں بھی بچے، بوڑھے اور عورتیں شامل ہیں۔ یہاں تک کہ اسرائیل ایمبولینسوں کو بھی نہیں بخش رہا ہے۔ ایک ایمبولینس پر اس نے حملہ کرکے اس میں سوار کئی مریضوں کو ہلاک کردیا ہے

عربوں کی نااتفاقی ہمیشہ سے ان کی کمزوری رہی ہے۔ اس بار بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو اس سے قبل ہوتا آیا ہے۔ زبانی طور پر مذمت کرنے کے علاوہ کوئی کچھ نہیں کر رہا ہے۔ رہی اقوام متحدہ، تو اس کے بارے میں کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ یہ ادارہ اب اس قدر امریکہ کے چنگل میں ہے کہ سلامتی کونسل کے چیرمین وہی کچھ کہتے ہیں جو امریکی مندوب ان سے کہنے کو کہتے ہیں۔ امریکہ نے تو باقاعدہ اس حملے کی تائید بھی کی ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ یہ حملے اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک ان کی ضرورت محسوس کی جائے گی۔ اسرائیل یا شمعون پیریز کی ضرورت سب پر واضح ہے۔ پیریز کسی بھی قیمت پر ۲۹ مئی کا انتخاب جیتنا چاہتے ہیں۔ چونکہ لیکڈ پارٹی ان پر "دہشت گردوں" کے خلاف نرم رویہ اختیار کرنے کا الزام لگا رہی تھی اس لئے انہوں نے یہ حملہ کرکے اور عربوں کو مصیبت اور ذلت سے دوچار کرکے یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ کسی بھی اسرائیلی سے اپنی عرب دشمنی میں کم نہیں ہیں۔

حال ہی میں ۵۵ اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے تو پوری دنیا چیخ اٹھی تھی۔ اس میں عرب بھی شامل تھے۔ اسرائیلیوں کے ساتھ یکجہتی کے لئے امریکہ، یوروپی ممالک، روس اور کئی عرب و اسلامی ممالک نے شرم الشیخ میں ایک کانفرنس بھی کی تھی۔ لیکن اب جب اسرائیل عربوں کا بلاتفریق قتل کر رہا ہے (واضح رہے کہ اب تک سو سے زیادہ افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ لاکھوں بے گھر ہوچکے ہیں۔ ہلاک شدگان میں زیادہ تر شہری اور ان میں بھی بچے، بوڑھے اور عورتیں شامل ہیں۔ یہاں تک کہ اسرائیل ایمبولینسوں کو بھی نہیں بخش رہا ہے۔ ایک ایمبولینس پر اس نے حملہ کرکے اس میں سوار کئی مریضوں کو ہلاک کردیا ہے) اس بربریت پر دنیا خاموش ہے۔ اور دنیا کو مورد الزام کیوں ٹھہرائیں جب خود عرب ممالک ایک برادر ملک کے خلاف جارحیت پر آمادہ اسرائیل سے ہاتھ ملانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا واقعی اسرائیل کو اپنا مقصد حاصل ہوجائے گا یعنی کیا واقعی جنوبی لبنان پر اب اس کارروائی کے بعد اسرائیل پر حملہ بند ہوجائے گا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے۔ جب پہلے ایسی کارروائیوں سے یہ حملے بند نہیں ہوئے تو اس بار ایسا کیوں ہوگا؟ سچ تو یہ ہے کہ حالیہ اسرائیلی حملے کے بعد اس کے علاقوں پر حزب اللہ نے پہلے سے زیادہ راکٹ برسائے ہیں۔ اب یہ امکان بھی ہے کہ شام، ایران اور کسی حد تک لبنان بھی حزب اللہ کی مزید مدد کرکے نہ صرف اسرائیل کے لئے مزید مسئلہ پیدا کریں گے بلکہ ان عربوں کو بھی خاص طور سے اردن کو، سبق سکھانے کے بارے میں سوچیں گے جو آج امریکہ اور اسرائیل نوازی میں سب سے آگے ہے۔ مختصر یہ کہ ممکن ہے اس حملے سے شمعون پیریز کو آئندہ انتخاب میں کچھ فائدہ ضرور مل جائے لیکن نام نہاد مغربی ایشیائی امن کے عمل کو پہلے ہی کافی نقصان پہونچ چکا ہے۔

حالیہ اسرائیلی حملے کے بعد اس کے علاقوں پر حزب اللہ نے پہلے سے زیادہ راکٹ برسائے ہیں۔ اب یہ امکان بھی ہے کہ شام، ایران اور کسی حد تک لبنان بھی حزب اللہ کی مزید مدد کرکے اسرائیل کے لئے مزید مسئلہ پیدا کریں گے

انتخابی نظام کو بدلے بغیر اس میں حصہ لینا ہمیں

ہم ایسے راستے کی تلاش میں ہیں جس میں ووٹ ڈالنا ہمیں

قائد ملی پارلیامنٹ جناب راشد

گذشتہ دنوں ملی پارلیامنٹ کے پٹنہ اجلاس میں مسلم سیاسی بل کی پیشی کے بعد محترم امین الدین شجاع الدین مدیر بانگ درا لکھنؤ نے قائد ملی پارلیامنٹ سے ایک اہم انٹرویو لیا تھا۔ ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال میں جہاں عام مسلم ذہن سخت انتشار سے دو چار ہے اس انٹرویو سے ایک واضح رہنمائی ملتی ہے۔ مدیر بانگ درا کے شکریے کے ساتھ ہم اسے شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سوال:— اپنے سیاسی بل میں آپ نے مسلمانوں کو متحد ہو کر سیاسی پارٹیوں کے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حقیقی نمائندوں کو پارلیامنٹ میں نمائندگی دیئے جانے کی بات کہی ہے۔ اس کی عملی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ کیا ملی پارلیامنٹ عملی سیاست میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتی ہے؟ اگر نہیں تو اس صورت میں کیا سبیل نکل سکتی ہے؟

جواب:— ہم نے بہت غور کیا اور اپنے تئیں اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے امکانات تلاش کئے جاسکیں۔ لیکن ایک طویل غور و فکر کے بعد بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوئے کہ موجودہ سیاسی نظام میں بحیثیت امت تو کجا، بحیثیت ایک عام قوم کے بھی ان کے سیاسی حقوق کا تحفظ یا ایک مستحکم سیاسی قوت کی حیثیت سے انکا ابھرنا بعید از امکان ہے۔ بات یہ ہے کہ موجودہ سیاسی ڈھانچہ کچھ اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ اس میں قیامت تک بھی مسلمانوں کو ایک قوت کی حیثیت سے ابھرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

پھر یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ سیاسی انصاف کا عین تقاضا ہے کہ ہر مذہبی گروہ کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے سلسلے میں اسے آزادی ملنی چاہئے۔ موجودہ ڈھانچے میں مسلم نمائندوں کی نامزدگی غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کی ہائی کمان کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ یعنی نبیادی طور پر پارلیامنٹ میں پہنچنے والا ہر مسلمان (استثناء چند مسلم جماعتوں اور آزاد امیدواروں کے) غیر مسلموں کا نامزد کردہ نمائندہ ہوتا ہے جنہیں غیر مسلم سیاسی پارٹیاں اپنے مفادات کے میزانیے کی روشنی میں نامزد کرتی ہیں۔ اب عامۃ المسلمین سے یہ کہا جاتا ہے کہ انہی مختلف نامزد کردہ امیدواروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ بات بہت سادہ سی ہے کفار کے ذریعہ نامزد کردہ لوگ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں۔

مسلم سیاسی بل میں ہم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جانا چاہئے جس کے لئے جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر متناسب نمائندگی کی بات کہی گئی ہے۔ گویا ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوک سبھا کی ۱۱۹ نشستوں پر ملک گیر سطح پر رائے شماری کے ذریعہ مسلمان اپنے حقیقی نمائندے منتخب کر سکیں۔ مسلم سیاسی بل سیاسی انصاف کے قیام کی ایک کوشش ہے۔ گزشتہ پچاس سال کی سیاسی تاریخ چونکہ بدترین سیاسی ناانصافی کی تاریخ ہے جس میں مسلمانوں کو ان کے تناسب کے اعتبار سے کبھی نمائندگی نہیں مل سکی۔ اب بھلا جو نظام حکومت نصف صدی تک سیاسی انصاف دینے میں ناکام رہا ہو اس کے مزید جاری رکھنے کا کیا جواز ہے۔ ہم جبر بھری اس صورت حال کو یکسر تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔

رہی عملی سیاست کی بات تو ہم اس میں اس وقت تک کیسے حصہ لے سکتے ہیں جب تک کہ کھیل کے بنیادی اصول پھر سے طے نہ کر لیے جائیں۔ موجودہ صورت حال میں الکشن کے نظام کو بدلے بغیر اس میں حصہ لینا ہمیں کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔

سوال:— یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ متفق نہیں ہوں گے، اس صورت میں آپ کیسے توقع رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ایک ووٹ ایک ہی جھولی میں پڑے گا؟

جواب:— ہمیں یہ ہرگز توقع نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کا ایک ایک ووٹ ایک ہی جھولی میں ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور نہ ہم اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ کو بٹور کر مشرک سیاسی پارٹیوں میں سے ہی کسی ایک کی جھولی میں ڈال دیں۔ بلکہ ہم تو ایک ایسی جھولی کی تلاش میں ہیں جس میں ووٹ ڈالنا ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا سبب بنے۔ ہم مسلمانوں کو کفر کی قیادت میں نہیں بلکہ اسلام کی قیادت میں متحد کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ صورت حال میں جب مسلمانوں کے لئے کافر پارٹیوں میں سے ہی کسی ایک کو ووٹ دینا ہو ہمارے لئے یہ امر قطعاً بے معنی ہے۔ ان کا ووٹ منتشر ہو یا متحد، اس جھولی میں پڑے یا اس جھولی میں۔ یاد رکھئے اگر ہمارے ووٹ سے نظام کفر کو مزید تقویت ملتی ہے اور موجودہ صورت حال مزید برقرار رہنے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں تو دراصل ہم اپنے ہر ووٹ سے خدا اور اس کے رسول کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔

سوال:— آپ کی جانب سے آویزاں پوسٹرز اور دعوت ناموں سے یہ تاثر قائم کیا جا رہا ہے کہ آپ علماء بیزار ہیں۔ اس جملہ کو علماء طبقہ پر حملہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے کہ "علماء نے جوتیاں سیدھی کی ہیں" علماء کے حلقے کی ناراضگی کو مول لے کر کیا ملت کا کوئی کام خصوصاً اتحاد و اتفاق کا کام ممکن ہو سکتا ہے؟ ایک تاثر یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا رشتہ علماء سے منقطع کرنے کی منصوبہ بند کوششیں ہو رہی ہیں۔

جواب:— میرے خیال میں یہ تاثر صحیح نہیں کہ ہم علماء بے زار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

قائد ملی پارلیامنٹ سوالو

خود ملی پارلیامنٹ میں علماء اور فارغین مدارس کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے قال اللہ اور قال الرسول کے حوالے سے بدترین قسم کی دنیاداری کی مثالیں قائم کی ہیں اور

سیاسی میدان میں ووٹ کی طالب جم

مسلمان تینوں محاذوں کو چھوڑ کر چوتھے متبادل

موجودہ انتخابی صورت حال میں

کوئی بیس بائیس کروڑ ہندوستانی مسلمان یعنی اس ملک کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی اس وقت ایک سخت ذہنی انتشار سے دو چار ہے۔ اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوا ہے کہ آنے والے الیکشن میں اس کا سیاسی رویہ کیا ہونا چاہئے۔ عام لوگوں کا تو شمار ہی کیا بڑے بڑے دانشور، علماء کرام، علوم شرعیہ کے علمبردار اس وقت موجودہ سیاسی صورتحال میں کوئی واضح رہنمائی دینے سے معذور ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کی باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ ایک عجیب و غریب کنفیوژن ہے، مایوسی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آخری رسول کی امت کا سفینہ مایوسی کے اس گہرے سمندر میں ہچکولے کھا رہا ہے، چار سو خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

رہے حاملین شریعت اور معتبر قسم کے علماء کرام، تو اول تو ان کی تعداد کا انگلیوں پر بھی گنا جانا مشکل ہے، ثانیاً ان حضرات نے گوشہ نشینی میں اپنی عافیت جانی ہے۔ وہ اس موج بلا کے سر سے گزر جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ ہے وہ صورتحال جو آج کل ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش ہے۔

اس وقت ملکی ذرائع ابلاغ اور کفار و مشرکین کی سیاسی پارٹیاں بڑے زور و شور سے مسلمانوں کو یہ باور کرا رہی ہیں کہ ان کے سامنے صرف تین راستے ہیں۔ تین قوتیں جو دراصل غلیظ کفر کی مختلف شکلیں ہیں، الگ الگ ناموں سے میدان میں ہیں۔ ان میں ایک کانگریس ہے جسے منتخب ہندوستان میں سب سے طویل عرصے تک دلی پر حکمرانی کا موقع ملا ہے اور جس کے دور حکومت میں امت مسلمہ ایک مجبور و بے بس اقلیت میں تبدیل کر دی گئی۔ لامتناہی مسلم کش فسادات اور بابری مسجد کی شہادت کا سہرا بھی اسی کے دور حکمرانی کے سر ہے۔ دوسری طرف بھارتیہ جنتا پارٹی ہے جو ایک خالص ہندو ایجنڈے کے ساتھ میدان میں آئی ہے اور جو ان تمام باتوں کا برملا اپنے منشور میں ذکر کرتی ہے جس پر ڈھکے چھپے حکمراں کانگریس پوری مستعدی کے ساتھ گذشتہ نصف صدی سے عمل کرتی آ رہی ہے۔ گویا ان دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف طرز بیان اور طریقہ عمل کا۔ ان کے اہداف میں اور مسلمانوں کے تئیں ان کی دشمنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری قوت نیچی ذات کے ہندوؤں پر مشتمل ہے جو گو کہ اب تک کوئی قومی قوت کی حیثیت سے سامنے نہیں آسکی ہے البتہ بعض اہم ریاستوں میں انہیں حکمرانی کا موقع ملا ہے اور اس اعتبار سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں عملی طور پر اب تک پوری طرح نہیں برتا گیا ہے۔ شمالی ہند کی جن ریاستوں میں تیسری قوت کے قائدین کو حکمرانی کا موقع ملا ہے وہاں انہوں نے خالصتاً تنگ نظر سیادت کا ڈول ڈالا ہے۔ خاص طور پر بہار میں جہاں تیسری قوت کے حاملین قابل ذکر عرصے سے صوبے کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں وہاں ان کے ارادوں سے باخبر ہونا اب عام لوگوں کے لئے بھی مشکل نہیں رہا۔ گویا یہ تینوں قوتیں جو اس وقت ساسی میدان میں مسلمانوں سے ووٹ کی طالب ہیں دراصل ایک ہی کفر کی مختلف شکلیں ہیں جو آپس میں ایک دوسرے

کیا اس پولنگ سے مسلم

سے خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتے ہوں البتہ یہ سب کے سب اسلام اور مسلمانوں کو اس ملک سے نیست و نابود کر دینے کے مسئلے پر متفق ہیں،

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے/چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 — 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

ہمیں کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں کراسکتا

ہمارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا سبب بنے

راشد شاذ سے ایک اہم انٹرویو

میں یہ تاثر صحیح
قیقت یہ ہے کہ

جن کی چلت پھرت کا مقصد نظام کفر سے چند مراعات کے حصول کے علاوہ اور کچھ نہیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہم ان بازاری اور سرکاری علماء

پارلیامنٹ سوالوں کے جواب دیتے ہوئے

عین مدارس کی
لوگ جنہوں
حوالے سے
قائم کی ہیں اور

سے یقینا امت کو چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں اور ان سے ہم اپنی براءت اور بے زاری کا اعلان کرتے ہیں۔ جہاں تک اس مفروضے کا تعلق ہے کہ حلقہ علماء کی ناراضگی مول لے کر امت کی احیاء کا کام نہیں کیا جاسکتا تو ایسا سمجھنا غلط ہے۔ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کی موجودگی کے بعد کسی بھی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اللہ کے کلمے کی بلندی سے روک سکے یا نظام کفر کی تابعداری پر زیادہ دنوں تک مطمئن رکھ سکے۔ خواہ اس نے اپنا نام حضرت مولانا ہی کیوں نہ رکھ چھوڑا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں سواد اعظم نے علمائے سوء کے خلاف بغاوت کی ہے۔ رہے وہ مسند نشیں جو اپنی خالص مادی دوڑ دھوپ اور حصول دنیا کی کوشش کو روحانی حوالے سے آج بھی مستند کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور جو اعلائے کلمۃ الحق کی ہر کوشش کو علماء کے خلاف منصوبہ بند سازش بتانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں اس سازش پر تفصیل سے روشنی ڈالنی چاہئے۔ رہی یہ بات کہ ملی پارلیامنٹ مسلمانوں کا رشتہ علماء سے منقطع کرنے کی منصوبہ بند کوشش کر رہی ہے تو اس بات کے تو ہم بھی قائل ہیں کہ یقینا ان علماء سے ہم مسلمانوں کا رشتہ منقطع کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے اپنا رشتہ خدا اور اس کے رسول سے منقطع کر کے کافر مشرک حکمرانوں سے بنا رکھا ہے۔

سوال:۔۔۔ ہندوستان میں ملی مفادات کے لئے کام کرنے والی مختلف سیاسی و نیم سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں ہیں۔ کیا آپ کو ان میں سے کسی ایک سے بھی اتفاق نہیں ہے؟ ان ساری تنظیموں کی موجودگی میں ایک نئی تنظیم بنانے کی آپ کو کیوں ضرورت پیش آئی؟

جواب :۔۔۔ ہندوستان میں اسلام کی سربلندی کے لئے جو جماعتیں سرگرم ہیں ان میں سے ہر ایک سے کسی نہ کسی سطح پر اتفاق ضرور ہے کہ ہم ان کے کاموں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ البتہ ان ساری تنظیموں کی موجودگی کے باوجود یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس ملک میں اللہ کا دین مغلوب اور اس کے ماننے والے مجبور و بے بس ہیں جس سے اس بات کا جواز فراہم ہوتا ہے کہ محض موجودہ تنظیموں کے کاموں کو نگاہ تحسین سے دیکھنا کافی نہیں ہے۔

ملی پارلیامنٹ کا مختصر سا قافلہ اسی ضرورت کے پیش نظر وجود میں آیا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ روز اول سے ہم نے ملی پارلیامنٹ کو ایک تنظیم بنانے سے گریز کیا ہے اس کے برعکس ہماری کوشش رہی ہے کہ ہم بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک متحدہ فورم تشکیل دے سکیں۔ ایک ایسا ایوان تشکیل دیں جسے عامۃ المسلمین اپنی پارلیامنٹ کا نام دے سکیں۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ ہمارے یہاں مختلف مسالک اور جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ بوڑھے بھی ہیں جوان بھی، عمر رسیدہ خواتین بھی ہیں اور کمسن لڑکیاں بھی، جدید دانش گاہوں سے فارغ لوگ بھی ہیں اور سکہ بند علماء بھی۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس دائرہ کار کو وسیع کرنے میں اور امت کو ایک وحدت کے طور پر برتنے میں ہمیں حوصلہ افزا تجربات ہوئے ہیں۔

سوال :۔۔۔ ملی پارلیامنٹ کے قیام سے لے کر اب تک اس کی نمایاں خدمات کونسی ہیں۔ اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ آپ کے پوسٹر میں بوسنیا اور چیچنیا میں مہم جوئی کا تذکرہ ہے، اس سلسلہ میں ہم خصوصیت کے ساتھ جاننا چاہیں گے کہ وہاں آپ کی خدمات کس نوعیت کی رہیں، اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

جواب :۔۔۔ ملی پارلیامنٹ نے اب تک اپنی کارگزاریوں کی کوئی رپورٹ شائع نہیں کی ہے اور نہ ہی اس طریقہ کار کو ہم اپنے مزاج سے ہم آہنگ سمجھتے ہیں۔ اگر گاہے بہ گاہے کہیں کسی مہم جوئی کا تذکرہ آگیا تو صرف اس لئے کہ عامۃ الناس کو یہ یقین دلایا جاسکے کہ صرف تاریخ کی کتابوں میں نہیں بلکہ واقعات کی موجودہ دنیا میں بھی مختصر سے گروہ کی کوششوں کو اللہ نے اپنی نصرت سے نوازا ہے۔ اس بارے میں کوئی تفصیلی تبصرہ ہم فی الوقت مناسب نہیں سمجھتے۔ البتہ اندرون ملک ہمارا یہ احساس ہے کہ مسلمانوں کو ایک نئے انداز سے دعوت فکر دینے کے سلسلے میں قدرے پیش رفت ہوئی ہے اور مضطرب دلوں میں عام طور پر یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ موجودہ نظام جبر کو الٹ پھینکنا ناممکن نہیں۔

سوال :۔۔۔ "کفار و مشرکین" جیسی اصطلاحات استعمال کرنے سے کیا امت دعوت اور مدعو قوموں میں بعد نہیں پیدا ہوگا اور اپنے اس رویہ سے کیا ہم اپنے لئے دعوت کے امکانات کو ختم نہیں کردیں گے؟

جواب :۔۔۔ کفار و مشرکین کی اصطلاح قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن نے معاشرے کو امت کفر اور امت اسلام میں بانٹا ہے البتہ امت کفر کے لئے ہمیشہ اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اپنے کفر سے تائب ہوکر اللہ کی بندگی میں داخل ہوجائے قبول اسلام کے بعد سابق کافر مستند مسلمان ہوجاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ایسا ہی ہوا۔ کفار و مشرکین کی اصطلاح جب بھی استعمال کی گئی لیکن اس سے دعوت کی راہ میں رکاوٹ نہیں آئی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ کفار و مشرکین کو یہ احساس ہوگیا کہ ہم کوئی اور نہیں رب کائنات کے باغی ہیں۔

سوال:۔۔۔ "تعمیر ملت" جیسی تنظیموں کے تجربات یہ بتاتے ہیں کہ جذباتیت نے نہ صرف یہ کہ ان مخلص افراد کی توانائیوں کو ضائع کردیا، بلکہ ملت کی کوششوں کو نقصان بھی پہنچایا۔ ملی پارلیامنٹ کے متعلق بھی اسی قسم کی جذباتیت

باقی صفحہ ۱۵ پر

جماعتیں غلیظ کفر کی مختلف شکلیں ہیں

بادل کے قیام پر اپنی قوت صرف کریں

میں مسلمانوں کے مجوزہ رول کا ایک جائزہ

تے ہوں البتہ
ں کو اس ملک
پر متفق ہیں۔

ولنگ سے مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے

جس کا عملی اظہار ان تینوں قوتوں کے اپنے اپنے عملی دائرہ کار میں شب و روز ہوتا رہتا ہے۔ اب جو لوگ ان تین دشمنوں میں سے کسی کو بڑا یا کسی کو چھوٹا گردانتے ہوں یا کسی کو کم خطرناک اور کسی کو زیادہ مضر سمجھتے ہوں وہ دراصل سخت غلط فہمی کے شکار ہیں، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کے سب اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں انہیں رسول اللہ کی آخری امت سے انتہائی درجے کا بغض ہے اور وہ ہر قیمت پر اس ملک کو اذانوں کی آواز سے خالی دیکھنا چاہتے ہیں۔ البتہ اس ہدف کے حصول کے لئے ان تینوں کے لائحہ عمل مختلف ہیں۔ کوئی براہ راست سامنے سے ٹکرانا چاہتا ہے، کوئی پیچھے سے حملہ میں مہارت رکھتا ہے تو کوئی آپ کے جسم سے زیادہ آپکی نظریاتی اساس پر حملہ ضروری خیال کرتا ہے، اور آپ کو نفسیاتی طور پر اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ آپ چھوٹے بن کر رہنے کی صورتحال کو قبول کرلیں۔ اب بھلا محض طریقہ کار کی تبدیلی کی وجہ سے ان دشمنوں کو کم خطرناک یا زیادہ خطرناک تو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے: " قد بدت البغضاء بافواھھم و ماتخفی صدورھم اکبر (آل عمران۔۱۱۸)

(ان کے منہ تمہارے لئے نفرت اگل رہے ہیں اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔)

گویا ہندوستانی مسلمان دشمن قوتوں کے ہاتھوں ایک ایسی اندھی گلی میں دھکیلے جارہے ہیں جہاں سے ان کے لئے نکلنے کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے کوئی بھی کسی بھی مرحلے پر ہندوستان میں ایک متقی مسلم سیاسی قوت کے احیا کا حامی نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ پھر ان تین قاتلوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں آنے والے پانچ سالوں کے لئے تلوار سونپنے کا کام آخر اتنی مستعدی سے کرنے کے لئے مسلمان خود کو کیوں آمادہ پاتے ہیں؟

آیئے اس مسئلے پر ایک دوسرے پہلو سے غور کریں۔ مرکز میں حکومت خواہ کانگریس کی بنتی ہو یا بی جے پی کی یا تیسرے محاذ کی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو آخر اس تبدیلی کے نتیجے میں کیا ملنے والا ہے؟ کمزور کے لئے تو سب کی طرف سے ایک ہی انعام ہے۔ بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔ مسلمانوں کے حصے میں جو کچھ آئے گا وہ وہی کچھ ہوگا جو اس سے پہلے بھی پچاس سال سے ہوتا آرہا ہے یعنی قتل و غارت گری تشدد اور تعزیب اور وہ سب کچھ جس سے اس ملک میں مسلمانوں کو ہر لحہ جہنم میں رہنے کا احساس تازہ تازہ رہے۔ پھر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے مسلمان مل جل کر محنت کریں اور اپنے اوپر جہنم طاری کرنے والوں کے لئے مل جل کر یہ رائے قائم کریں کہ اس بار جہنم برپا کرنے کا اختیار کسے دینا چاہئے اور نہ ہی کسی مخصوص پارٹی کے برسر اقتدار آجانے سے خوف میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے کہ آخر مسلمانوں کے لئے وہ کون سا نیا ظلم بچ گیا ہے جو کوئی مخصوص سیاسی پارٹی اس ملک میں اقتدار پاجانے پر اسے جاری کردینا چاہتی ہے۔ پھر آپ خود بتایئے کہ اس پارٹی یا اس پارٹی کو ووٹ دینے پر آپ کیوں مچلے جاتے ہیں۔

باقی صفحہ ۲ پر

کیا سب سے بڑا مسلم ملک صحیح معنوں میں اسلامی ملک بن سکتا ہے

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی جماعت نہضتہ العلماء پھر انگڑائی لے رہی ہے

بہ اعتبار آبادی انڈونیشیا دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ یہاں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعہ پہونچا اور تمام ملک پر چھا گیا۔ ہالینڈ کی استعماریت سے آزاد ہونے کے بعد انڈونیشیا مغرب پسندی کی راہ پر گامزن رہا ہے۔ اس مغرب نوازی کا فائدہ عیسائی مشنریوں نے خوب اٹھایا اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرکے نہ صرف کسی مذہب کے نہ ماننے والوں کو بلکہ بہت سے مسلمانوں کو بھی عیسائی بنالیا۔ عیسائیوں کے اپنے دعوے کے مطابق آج انڈونیشیا میں ان کی تعداد آبادی کا تقریباً ۹ فیصد ہے۔ لیکن دوسرے ذرائع کے مطابق یہ تعداد اس سے کہیں کم ہے۔

۷۵ سالہ صدر سوہارتو ملک پر گذشتہ ۲۸ سالوں سے حکمرانی کررہے ہیں۔ ان کے دور میں عیسائی مشنریوں کو جو عروج حاصل ہوا اسے دیکھتے ہوئے بعض مسلمانوں نے ان کے اسلام کے بارے میں شبہ بھی کرنا شروع کردیا تھا۔ آج بھی بے شمار لوگ اسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہیں۔

نہضتہ العلماء انڈونیشیا ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی جماعت ہے۔ ایک وقت تھا جب یہ جماعت ملک میں اسلامی نظام کی علمبردار تھی۔ لیکن سوہارتو نے کبھی مصائب ڈھاکر اور کبھی دوسرے ہتھکنڈوں سے اس جماعت کو سیاست سے علیحدہ ہونے پر مجبور کردیا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ جماعت پھر انگڑائی لے رہی ہے۔ دراصل نہضہ کی بیداری پورے ملک میں پھیلی اس بے چینی کا ایک حصہ ہے جو صدر سوہارتو کی اقربا پروری اور ان کے اہل خاندان کے کرپشن میں ملوث ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔

۱۹۶۵ میں چھ سینئر فوجی افسران کو قتل کردیا گیا تھا۔ اس قتل کی ذمہ داری کمیونسٹ پارٹی پر ڈالی گئی تھی۔ اس کے بعد ملک سے کمیونسٹوں کے صفایا کے نام پر ۵ لاکھ افراد کو تہ تیغ کردیا گیا تھا۔ ان واقعات کے بعد صدر سوئیکارنو، جو مجاہد آزادی تھے، ہٹادیئے گئے اور سوہارتو ان کی جگہ صدر بنے۔ یہ واقعہ ۱۹۶۸ء کا ہے۔ اس وقت سے صدر فوج کی مدد سے ملک پر حکمرانی کررہے ہیں۔ فوج سیکولر اور مغرب نواز ہے۔ نہضتہ العلماء کو دبانے میں بھی فوج کا بڑا کردار تھا۔

صدر سوہارتو مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ـــ ایک خوشگوار لمحہ

طویل عرصے سے اقتدار میں ہونے کی وجہ سے سوہارتو کی آل اولاد ہر اعتبار سے ملک کی معیشت پر قابض ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ معیشت کے بارے میں اعداد وشمار کبھی کبھار بڑی غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً اس وقت انڈونیشیا کی سالانہ معاشی ترقی کا اوسط سات فیصد سے زیادہ ہے جو بہت زیادہ ہے۔ اس سے ایک عام آدمی یہی اندازہ لگائے گا کہ وہاں کافی خوشحالی ہے۔ لیکن سچائی اس کے برعکس ہے۔ معاشی ترقی کے بڑے حصے پر ایک خاص طبقے کا کنٹرول ہے۔ دولت کی تقسیم کا نظام انتہائی ناقص ہے۔ پوری معیشت پر چینی نسل کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ انہیں کی مدد سے گذشتہ کئی سالوں سے صدر سوہارتو کے بیٹوں نے اور ان کے خاص حواریوں نے بھی کافی پیسہ بنایا ہے۔ عوام کی اکثریت اب بھی محروم ہے جس کی وجہ سے ملک میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔

کمیونسٹ بغاوت کو کچلنے کے بعد فوج کو ملک میں خاص مقام حاصل ہے۔ ان کا کام صرف ملک کی سرحدوں ہی کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اندرونی سلامتی کا تحفظ بھی انہیں کے فرائض میں شامل ہے۔ چنانچہ ملک کے انتظامی ڈھانچے میں فوج کے افراد ہر سطح پر پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس سے فوج خاص طور سے اس کے افسران کو بھی کافی فائدہ پہونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج ہمیشہ صدر سوہارتو کی زبردست حامی رہی ہے۔ لیکن سوہارتو کے چھ صاحبزادوں نے ملکی معیشت پر جس طرح قبضہ کرنا شروع کردیا ہے، اس سے اب فوج میں بھی بے اطمینانی بڑھ رہی ہے۔

> نہضتہ العلماء انڈونیشیا ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی جماعت ہے۔ ایک وقت تھا جب یہ جماعت ملک میں اسلامی نظام کی علمبردار تھی۔ لیکن سوہارتو نے کبھی مصائب ڈھاکر اور کبھی دوسرے ہتھکنڈوں سے اس جماعت کو سیاست سے علیحدہ ہونے پر مجبور کردیا۔ اب یہ جماعت پھر انگڑائی لے رہی ہے۔

صدر سوہارتو نے بھی اسے محسوس کرلیا ہے اور وہ بھی فوج سے ناخوش نظر آتے ہیں۔ دراصل ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے دوران فوج نے سوہارتو کے نائب کی مخالفت کی تھی۔ اس کے بعد سے صدر نے انتظامیہ میں فوج کے اثر کو کم کرنا شروع کردیا جس سے ان کا سیاسی وزن دن بہ دن کم ہوتا گیا۔ حال ہی میں فوج کے بعض عہدیداروں کو یا تو برخاست کردیا گیا ہے یا ان کا غیر اہم جگہوں پر تبادلہ کردیا گیا ہے۔ فوج صدر کے اس رویے سے ناخوش ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ وہی ملک کو متحد رکھے ہوئے ہے ورنہ آج اکا دکا جو چھوٹی موٹی بغاوتیں نظر آرہی ہیں وہ کب کی شعلہ بن چکی ہوتیں۔

لیکن صدر سوہارتو پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ فوج کے اثرات کم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ وزیر برائے ریسرچ اور ٹکنالوجی جناب بی۔ جے حبیبی کو استعمال کررہے ہیں۔ آنجناب کو سائنس اور ٹکنالوجی سے تو خاص شغف ہے ہی۔ اسی کے ساتھ وہ اسلام کے بھی چمپین ہیں۔ ۶ سال قبل انہوں نے اِچمی نامی ایک اسلامی تنظیم قائم کی۔ آج کل صدر بھی اس کے کافی حامی ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اچانک اسلام کے شیدائی ہوگئے ہیں بلکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی امیج کو ابھار رہے ہیں۔

جناب حبیبی کو مغربی پریس میں بہت سے لوگوں نے بنیاد پرست سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ ان کی تحریک ایک ایسی تنظیم ہے جس کا مقصد چینی نسل کے لوگوں کی طرح مسلمانوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ صدر سوہارتو اس کی سرپرستی اس لئے کررہے ہیں تاکہ وقت ضرورت اسے نہضتہ العلماء کے اثر کو کم کرنے کے لئے استعمال کرسکیں۔

> ۷۵ سالہ سوہارتو ملک پر گذشتہ ۲۸ سالوں سے حکمرانی کررہے ہیں۔ ان کے دور میں عیسائی مشنریوں کو جو عروج حاصل ہوا ہے اسے دیکھتے ہوئے بعض مسلمانوں نے ان کے اسلام کے بارے میں شبہ بھی کرنا شروع کردیا تھا۔ آج بھی بے شمار لوگ اسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہیں

لیکن ملک میں صدر سوہارتو کی مخالفت بڑھتی ہی جارہی ہے۔ کسی کو شبہ نہیں ہے کہ صدر سوہارتو انتخاب ہار جائیں گے۔ لیکن اگر ان کی عوامی حمایت میں اس بار بھی کمی واقع ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ عوام نے ان کی خاندان پروری اور خویش نوازی کو مسترد کردیا ہے۔ ۱۹۸۸ میں صدر کو ۳۷ فیصد ووٹ ملے تھے اور ۱۹۹۲ میں صرف ۶۹ فیصد ملے تھے۔ آئندہ سال کے انتخابات میں اگر اس میں مزید کمی واقع ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ عوامی بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔

ملک کی اصل اپوزیشن ڈیموکریٹک پارٹی ہے جس کی قیادت آج کل سابق صدر اور قومی ہیرو سوئیکارنو کی صاحبزادی کررہی ہیں جو میگاوتی کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ میگاوتی سیکولر ذہن رکھتی ہیں لیکن حالیہ دنوں میں ان کے تعلقات نہضتہ العلماء سے کافی استوار ہوگئے ہیں۔ نہضہ کے موجودہ صدر عبدالرحمان وحید ہیں۔ نہضہ کے ممبروں کی تعداد ۳۰ سے ۳۵ ملین کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ یہ جماعت کھل کر سیاست میں حصہ نہیں لیتی۔ لیکن یہ حبیبی کی اِچمی کی سخت مخالف ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جارہا ہے کہ نہضہ صدر کی مخالفت پر آمادہ ہے اور زیادہ امکان یہ ہے کہ وہ میگاوتی کے تعاون سے آئندہ سال کسی ایسے صدارتی امیدوار کی حمایت کرسکتی ہے جسے فوج میں بھی مقبولیت حاصل ہو۔ میگاوتی، نہضہ اور دوسرے اپوزیشن گروپوں کو امید ہے کہ ایک ایسا امیدوار سوہارتو کو زبردست چیلنج دے سکتا ہے۔ بلا شبہ صدر سوہارتو الیکشن جیت جائیں گے لیکن ان کے مجموعی ووٹ میں کمی ضرور واقع ہوگی۔ اس صورتحال کا فائدہ میگاوتی کو پہونچے گا جو ۲۰۰۳ کے صدارتی انتخاب کی تیاری میں مصروف نظر آتی ہیں۔

نہضہ کو میگاوتی کی حمایت سے کیا ملے گا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ عبدالرحمان وحید اور دوسرے علماء نے کچھ نہیں سوچا ہے۔ سوہارتو کی جگہ میگاوتی کے آجانے سے آخر اسلامی تحریک کو کیا فائدہ پہونچے گا؟ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نہضہ بذات خود اپنے پرانے انقلابی اسلامی نظام کے تصور کے ساتھ پوری سرگرمی سے میدان عمل میں اترتی تاکہ دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک حقیقی معنوں میں اسلامی ملک بن سکتا۔

بقیہ: ٹائسن کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے کی مہم

میں بیٹی نے کہا کہ "مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ نہیں ہوا آپ کو کسی کی شہرت کے ساتھ یوں کھلواڑ نہیں کرنا چاہیئے۔" بیٹی نے کہا کہ جب وہ اپنی پک اپ میں ان الزام لگانے والی خاتون کو کلب سے ان کے گھر چھوڑنے جارہی تھیں تو انہوں نے شکوہ کیا تھا کہ ٹائسن نے انہیں چومتے ہوئے انہیں کاٹ لیا تھا۔ لیکن بیٹی کو ان کے چہرے پر ایسی کوئی علامت یا زخم نظر نہیں آیا۔ اس نے مزید کہا کہ ان خاتون کو وہ سیدھے ان کے گھر چھوڑنے لے گئی نہ کہ کسی اسپتال۔ ٹائسن کے منیجر اور ان کے روحانی مشیر جناب صدیق صاحب نے بھی اس واقعے کی تردید کی ہے۔ صدیق کا کہنا ہے کہ ٹائسن گذشتہ جمعہ کو ان کے ساتھ تھے اور نماز ایک مسجد میں ادا کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس واقعے کے ظہور کے بعد انہوں نے ملک عبدالعزیز سے گفتگو نہیں کی ہے لیکن انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ وہ بتدریج اپنی اصلاح کی راہ پر گامزن ہورہے ہیں۔

> نائٹ کلب کے باہر ایک پریس کانفرنس میں بیٹی نے کہا۔ آپ کو کسی کی شہرت کے ساتھ یوں کھلواڑ نہیں کرنا چاہیئے

پولیس نے کہا ہے کہ اس نے ابھی ٹائسن کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا ہے اور الزام کی بس تحقیق کررہی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹائسن کا اسلام لانا بھی بعض لوگوں کو ناگوار گزرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف بہانوں سے انہیں بدنام کرکے اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم و ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

آہ کلیم صدیقی: آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

لندن میں مسلم انسٹی ٹیوٹ کے بانی و ڈائرکٹر اور مسلم پارلیامنٹ لندن کے بزرگ رہنما محترم ڈاکٹر کلیم صدیقی کا ۱۸ اپریل کو ساوتھ افریقہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ڈاکٹر صدیقی وہاں ایک کانفرنس میں شرکت کرنے گئے تھے۔ جون ۱۹۹۵ میں ان کے دل کا آپریشن ہوا تھا اس کے بعد سے ہی وہ علیل تھے۔ ڈاکٹر کلیم صدیقی اترپردیش کے سلطان پور میں پیدا ہوئے تھے۔ تقسیم کے بعد پاکستان اور پھر لندن چلے گئے۔ وہاں ۱۹۷۸ میں انہوں نے مسلم انسٹی ٹیوٹ کا قیام کیا تھا۔ اللہ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! (ادارہ)

کشمیر میں الیکشن سلامتی کونسل کی قراردادوں کی واضح خلاف ورزی ہے

کشمیر کی آگ ہندو پاک کے درمیان ایٹمی جنگ بھڑکا سکتی ہے

معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

تحریر: حسان تحسین (سعودی گزٹ)

اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانے والے تنازعات اور خونی تصادمات سے بھری ہوئی دنیا میں کشمیر میں تشدد کا پھر سے بھڑک اٹھنا باعث حیرت نہیں ہے۔ ہندوستان بھی ایسے ہی متعدد مقامات کی صف میں آتا ہے جہاں مسلمانوں پر منظم طور پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں مثال کے طور پر فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، تاجکستان اور افغانستان جہاں لوگوں کا قتل عام اور مساجد کی مسماری معمولی باتیں ہوکر رہ گئی ہیں۔

پچھلے دنوں ہندوستانی فوجوں نے سرینگر کے مقدس ترین مقام حضرت بل کی مسجد کا محاصرہ کرلیا جہاں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے انقلابیوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ یہ محاصرہ صرف دو دن تک باقی رہا جس کے بعد دہشت گردوں کو مسجد کے احاطے سے نکل جانے پر راضی کرلیا گیا تھا۔

صاحب مضمون

اس کے بعد ہندوستانی فوجوں نے حضرت بل کے قریب واقع جے کے ایل ایف کے ایک دفتر پر گولیوں کی بوچھار کرکے ۲۲ جنگجوؤں کو ہلاک کرڈالا۔ سرینگر میں دفاتر اور دوکانیں اس قتل عام اور مسجد کی بے حرمتی کے احتجاج میں بند رہیں اور یہ خدشہ لاحق رہا کہ کہیں ۱۹۹۳ء کے خونی واقعات پھر سے نہ دہرائے جائیں جس میں مسجد کے اندر پھنسے ہوئے جے کے ایل ایف کے جنگجو مسلسل ہندوستانی فوجوں سے لڑتے رہے۔

کشمیر، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے دنیا کے بری طرح انتشار زدہ خطوں میں سے ایک ہے۔ کشمیر کا تنازعہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ ہی کھڑا ہوگیا تھا جب برطانوی حکام نے ہندوستان کو کشمیر کے انتظامی امور سنبھالنے کا حق اس وقت تک کے لیے دیا تھا جب تک کہ وہاں کے باشندے اپنی آئندہ حیثیت کا فیصلہ نہ کرلیں۔

ہندوستان اور پاکستان نے مسئلہ کشمیر پر ۱۹۴۷ء اور ۱۹۶۵ء میں دو جنگیں لڑیں اور نتیجتاً اس خطے کا دو تہائی حصہ ہندوستان اور بقیہ ایک تہائی پاکستان کے قبضے میں آیا۔ ۱۹۴۸ء میں مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سپرد کردیا گیا جس نے اس وقت ایک قرار داد یہ حکم دیتے ہوئے جاری کی کہ کشمیریوں کو یہ حق دینے کے لئے ایک رائے شماری کروائی جائے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف مل جائیں۔ سلامتی کونسل نے ۱۹۵۷ء میں دوسری قرار داد میں اسی موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں اس کا نفاذ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونا چاہئے۔

تاہم ہندوستان نے رائے شماری کرانے کی مخالفت اس دلیل کی بنا پر کی کہ اس طرح ایک ایسی نظیر قائم ہوجائے گی جس سے دیگر حصوں کو علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی شہ ملے گی۔ اس ضمن میں سکھ فرقے کی مثال دی گئی جو پنجاب میں ایک علیحدہ صوبے کے قیام کا مطالبہ کررہا تھا۔ نیز یہ کہ ہندوستان، پاکستان، چین اور افغانستان کی سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے بھی حفاظتی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے کشمیر کو ہندوستان نے بہت اہمیت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے رائے شماری کی مخالفت اس یقین کی بنا پر بھی کی کہ اس کے نتائج خود اس کے حق میں بہتر نہیں ہوں گے اور اہل کشمیر ہندوستانی بالادستی کو تسلیم نہیں کریں گے۔

کشمیریوں کے شدت کے ساتھ ہندوستان کی مخالفت پر اتر آنے کی وجہ ہندوستان کے زیر تسلط علاقے میں ان پر توڑے جانے والے مظالم، ایذائیں اور انسانیت سوز سلوک ہیں اور یہ بغاوت و سرکشی کا جذبہ اتنا گہرا ہے کہ کشمیری مسلمانوں بشمول قوم پرستوں کے اور مسلم دشمن کٹر ہندوؤں کے درمیان رواداری کی فضا قائم ہونا ناممکن ہے۔

اقوام متحدہ کی قرار داد کو توڑ مروڑ کر ہندوستانی حکومت نے ۱۹۸۹ میں کشمیر میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا جب کہ ضرورت تھی اقوام متحدہ کے مجوزہ رائے شماری کی۔ لیکن کشمیری عوام نے انتخابات کی تجویز مسترد کردی اور رائے شماری کا مطالبہ کیا اور یہیں سے اقوام متحدہ کی قرار داد کی خلاف ورزی اور کشمیر پر مستقل ہندوستانی قبضے کے خلاف کشمیری عوام کا احتجاج زور پکڑنے لگا۔

تاہم ہندوستان نے رائے شماری کرانے کی مخالفت اس دلیل کی بنا پر کی کہ اس طرح ایک ایسی نظیر قائم ہوجائے گی جس سے دیگر حصوں کو علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی شہ ملے گی۔ اس ضمن میں سکھ فرقے کی مثال دی گئی جو پنجاب میں ایک علیحدہ صوبے کے قیام کا مطالبہ کررہا تھا۔

کشمیر کے تئیں ہندوستانی موقف نے واضح طور پر بین الاقوامی ضابطے کو پامال کیا ہے کیونکہ سلامتی کونسل کی قرار داد کو دونوں ہی ممالک نے تسلیم کیا تھا۔ اس لئے اس قرار داد کی شرائط سے انکار اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون دونوں کی خلاف ورزی ہے۔ اس طرح اگر طرفین کے درمیان مذاکرات کے ذریعہ کوئی ایسا سمجھوتہ بھی کیا جائے جو سلامتی کونسل کی قرار داد کے منافی ہو تو اس کی کوئی معنویت نہ ہوگی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلامتی کونسل نے جس کو اس طرح کی قرار دادوں کو روبہ عمل لانے کا براہ راست اختیار حاصل ہے، مسئلہ کشمیر پر عالمی ضابطے کے نفاذ کے لیے طرفین کو مجبور کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب آسان ہے۔ اقوام متحدہ پر حاوی امریکی انتظامیہ کو کشمیری عوام سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ سویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد امریکہ بھی ہندوستان سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتا ہے۔ ہند سے تعلقات کو بہتر بنائے رکھنے کی خواہش میں اس بات کا بھی بڑا ہاتھ ہے کہ ہندوستان نے نیوکلیائی میدان میں بھی اہمیت حاصل کرلی ہے اور اب مغربی ایشیا کی ایک بااثر قوت بن گیا ہے۔

کشمیری عوام کی طرف امریکی انتظامیہ کے اس متعصبانہ رجحان کا خاصا اندازہ اس کے مجہول موقف سے ہوا جو اس نے ہندوستانی فوج کے ہاتھوں چرار شریف میں آتشزنی کے واقعے پر ظاہر کیا۔ یہ المناک حادثہ اس وقت پیش آیا جب ہندوستانی فوجیں بحر ہند میں مشترکہ بحری مشقوں میں مصروف تھیں۔

امریکہ کے اس غیر ہمدردانہ رویے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ صدر کلنٹن نے کشمیر میں انتخابات کرانے کے خیال کی تائید کی حالانکہ انتخابات کا خیال بذات خود سلامتی کونسل کی قرار داد کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ صدر کلنٹن نے پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے دورہ واشنگٹن کے دوران بھی ہندوستان کے لئے حمایت کا اعادہ کیا۔

سلامتی کونسل کی قرار داد کو نظر انداز کرنے میں جس چیز سے ہندوستان کو حوصلہ ملا ہے وہ برطانوی وزیر خارجہ کا ۱۹۹۵ میں دورہ ہند کے دوران دیا گیا خطبہ ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ کشمیر ہندوستان کا تاریخی حصہ ہے جس سے اسے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔

سپر پاوروں کی اختیار کردہ متعصبانہ پالیسی نے ہندوستان کو اپنی ظالمانہ پالیسی جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دیدی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس عالمی تنظیم نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے باوجود کہ ہندوستان ۱۳۰۰۰ کشمیریوں کو ہلاک اور ان میں سے ہزاروں افراد کو حبس بیجا کی اذیت دے چکا ہے، کشمیری عوام کے مصائب دور کرنے کی سمت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

کشمیریوں کا قتل عام اور ان کی نسل کشی انہیں اپنے وطن کو آزاد کرانے کی جدوجہد سے ہرگز نہ روک سکے گی۔ کیونکہ ظلم عوام کے جذبہ حریت کو کبھی شکست نہیں دے سکا ہے۔ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل تو صرف سلامتی کونسل کی قرار داد کے نفاذ کے ذریعے ہی ممکن ہے جس کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے تاکہ کشمیری عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ کرسکیں۔

کشمیری عوام کی آزادی کی جدو جہد کو تیز کرنے میں جو مختلف گروہ کام کررہے ہیں انہیں بھی چاہیئے کہ عقل و ہوش کی روشنی میں اس پیچیدہ مسئلہ کا حل ڈھونڈیں اس سے پہلے کہ دونوں ملکوں کے درمیان نیوکلیائی جنگ کی صورت اختیار کرجائے۔

الف سے آگ، ب سے بم، ف سے فوج، ک سے کرفیو

پرتشدد وارداتیں، قتل، خون، لاش، بم، گولی، بندوق، ریوالور، رائفل، میزائیل، راکٹ لانچر، ماتم، سینہ کوبی، اجتماعی جنازے، مظاہرے، ہڑتال اور کرفیو کشمیر میں زندگی کا لازمی جزو بن چکے ہیں۔

ان حالات نے سب سے زیادہ متاثر بچوں اور کم عمر طالب علموں کو کیا ہے۔ آج سوپور جیسے شورش زدہ علاقوں میں بچے جب روتے ہیں تو والدین سے ٹافی نہیں راکٹ لانچر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اسکولوں میں ڈرائنگ بناتے ہیں تو کاپیوں پر جھیل، سبزہ، ہریالی اور قدرتی مناظر کی جگہ لاش، خون، رائفل اور راکٹ لانچر نمودار ہوجاتے ہیں۔ اسکولی بچے جب معمولی معمولی باتوں پر آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کردیتے ہیں تو ایک دوسرے کی شکایت اساتذہ یا والدین سے کرنے کے بجائے گولی ماردینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ گفتگو کرتے ہیں تو وحشتناک مناظر کی یا پھر ان کی زبانیں لڑکھڑانے لگتی ہیں۔ نفسیاتی بیماریوں کے اسپتال میں اکثریت بچوں کی ہے اور ان بچوں میں بھی اکثریت انکی ہے جو خونیں مناظر کی تاب نہ لاکر یا وحشیانہ کارروائیوں اور اس کے بعد کے حالات کو ذہنی طور پر انگیز نہ کرپانے کی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔

کشمیر یونیورسٹی میں ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن کے سربراہ پروفیسر اے جی مدہوش کا کہنا ہے کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے پرتشدد کارروائیوں کے تئیں بے حس ہوتے جارہے ہیں۔ یا تو وہ شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہیں یا کوئی رد عمل ہی ظاہر نہیں کرتے اور یہ بات بچوں کے اندر انسانیت کے تئیں بے توجہی اور غفلت کا سبب بن سکتی ہے۔ بچوں میں عدم تحفظ، دماغی غیر حاضری، جذباتی طور پر کمزوری اور کسی بھی چیز کے تئیں منفی ذہنیت کے عناصر پروان چڑھ رہے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات مشتاق مرغوب ان باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کشمیری بچوں میں نفسیاتی عدم توازن پیدا ہورہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے ۹۴ میں سرکاری نفسیاتی اسپتال کے ۱۴۴۰ مریضوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں ۲۷۲ بچے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ ۹۵ فیصد بچوں کے ذہن پر وحشتناک وارداتوں کا اثر تھا صرف پانچ فیصد ایسے تھے جو کسی دوسرے سبب نفسیاتی مریض بنے تھے۔ یہ حالات بچوں کو کہاں لے جاکر چھوڑیں گے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہ بچے الف سے اللہ اور ب سے بسم اللہ کے بجائے الف سے آگ، ب سے بم، ف سے فوج اور ک سے کرفیو یاد کرتے ہیں۔

مراسلات

احمد رضا بریلوی کے نام کا غلط استعمال

الیکشن میں مسلم ووٹ حاصل کرنے کی دوڑ میں سبھی پارٹیاں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ دینے کی ترکیبیں استعمال کررہی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں کبھی اہل سنت (بریلوی) کبھی علماء و مشائخ اور کبھی امام احمد رضا بریلوی کے نام کا غلط استعمال کیا جارہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کے مشن سے ہندوستان کے کروڑوں مسلمان محبت و عقیدت رکھتے ہیں لیکن سیاسی مقصد کے لئے آپ کے نام کے استعمال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی سرکاری آفیسر کے پاس نہیں گئے اور نہ کسی کورٹ میں کبھی حاضری دی نہ اس وقت کی کسی سیاسی سرگرمی میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک بار جب مولانا محمد علی جوہر آپ سے ملنے بریلی تشریف لائے اور تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کے سلسلے میں آپ سے بات چیت کرکے آپ کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا تو آپ نے ان سے صاف ارشاد فرمایا کہ مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں کافی فرق ہے کیوں کہ میں اصول شریعت اور مزاج اسلام کے خلاف کبھی بھی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا۔

آپ کے دونوں صاحبزادگان بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیاسی آلودگی سے دور رہے بابری مسجد کی شہادت کا جو زخم مسلمانوں کے دل پر لگا ہے اسے مٹانے کے لئے اہل سنت (بریلوی) اور علماء و مشائخ کے نام کو اچھالنے کے پیچھے جو سازش کارفرما ہے اس سے ہندوستانی مسلمان اچھی طرح باخبر ہیں۔

بابری مسجد کی شہادت کے سلسلے میں برسر اقتدار پارٹی و اپوزیشن پارٹیوں کا کردار جس طرح داغدار رہا ہے اسی طرح اپنے اپنے انتخابی منشور میں بابری مسجد کی اصل جگہ پر اس کی تعمیر نو کا کوئی ذکر نہ کرکے تمام ساسی پارٹیوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان سب کی نیت ایک جیسی ہے اور بابری مسجد کے مسئلہ پر سب کا موقف یکساں ہے۔

فرقہ پرست پارٹیوں کا ہوا کھڑا کرکے مسلم ووٹ حاصل کرنے کی ترکیب بہت پرانی ہوچکی ہے۔ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور وہ اس الیکشن میں کسی مسلم دشمن پارٹی کو ووٹ اور سپورٹ نہیں دے گا۔ بلکہ اپنے صوبائی حالات و حلقہ انتخاب کے مفادات کو سامنے رکھ کر جس امیدوار کو مناسب سمجھے گا اسے ہی ووٹ دے گا۔

(مولانا) یاسین اختر مصباحی
نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس
423۔ مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶

سیاسی پارٹیاں، علماء اور مسلمان

موجودہ عام چناؤ میں اگرچہ کسی بھی سیاسی پارٹی کے حق میں کسی طرح کی کوئی لہر نہیں ہے مگر حیرت انگیز طور پر سیاسی جماعتوں اور محاذوں میں مسلمانوں کے تئیں ہمدردی کی زبردست لہر پھوٹ پڑی ہے۔

کانگریس آئی سے بددلی اور ناراضگی کی وجہ نرسمہاراؤ اور ان کے ساتھی اچھی طرح جانتے ہیں اسی لئے مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر انہیں راضی کرنے کا تماشہ پچھلے ایک سال سے برابر جاری ہے۔ مسلم ووٹوں کی تلاش و جستجو میں نرسمہاراؤ اور ان کے ساتھیوں نے کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی۔ انھوں نے مسلمانوں کی دل جوئی کے لئے کبھی غلام نبی آزاد کو آگے کیا کبھی طارق انور کو بڑھاوا دیا۔ کبھی اسلم شیر خاں سے مسلمانوں کے حق میں بیان جاری کروایا تو کبھی سلمان خورشید کے ذریعہ مسلمانوں کے زخموں پر مرہم لگانے کی کوشش کی۔ اور اب اس فرقے کے مختلف عقائد کے علماء کے دروازے کھٹکھٹائے جارہے ہیں۔

جہاں تک قوم وملت کی رہنمائی کا تعلق ہے بابری مسجد کے المیہ کے بعد سے مسلمانوں کا اعتماد مسلم قائدین پر سے بالکل اٹھ چکا ہے اور اب قوم خاص طور پر اترپردیش کے مسلمان کسی بھی مسلم رہنما کے محتاج نہیں رہ گئے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی سوجھ بوجھ اور حالات و واقعات کی روشنی میں از خود مناسب فیصلہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرچکے ہیں۔

یہ وقت مسلمانوں کی سیاسی بصیرت کے امتحان کا ہے ان کو بہت سوچ سمجھ اور پرکھ کر ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ ان کا ووٹ یہ طے کرے گا کہ ملک میں آئندہ سیکولرزم کی جڑیں مستحکم ہوں گی یا فرقہ پرستوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے گا

امان احمد ۲۰۱۰۱ اٹالہ، الہ آباد

کیا ان علماء کی عقل ماری گئی ہے؟

ہندوستان میں گیارہویں پارلیامنٹ کے ہونے والے الیکشن میں کسی بھی پارٹی کو اکثریت نہیں ملے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ملک کی کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کے تئیں سنجیدہ نہیں ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ "صرف کانگریس ہی مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کرپائے گی" جیسا کہ سنی علماء نے فتوے صادر کردئے۔ راقم الحروف بھی سنی مسلمان ہے۔ سنی علماء کی عقلیں ماردی گئی ہیں جو مسلمانوں سے کانگریس کو ووٹ دینے کی وکالت کررہے ہیں۔ آزمائے ہوؤں کو کیا آزمانا؟ کیا انہیں یہ پتہ نہیں کہ کانگریس کی پانچ دہائیوں کی ہسٹری کیا ہے؟ آج کانگریس بھی بھگوا رنگ میں ہی رنگی ہوئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالی نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمادیا ہے کہ "ہم کبھی کبھی لوگوں کی عقلیں بھی ماردیتے ہیں" سنی علما کا فیصلہ کہ "کانگریس کو مسلمان ووٹ دیں" بس ہمارے نزدیک اتنا ہی ہے۔

آج ہندوستان میں مسلمانوں کی بقاء، ان کی عبادت گاہوں کی بقا، اور انکی خانقاہوں کی بقا کا سوال کھڑا ہوچکا ہے۔ ہندستانی مسلمان اگر آج الیکشن کا بائیکاٹ کردیں تو دنیا بھی اس کا نوٹس لے گی۔

کمال الدین
تیتری بازار، سدھارتھ نگر (یوپی)

انتخابات اور مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیاں

اس وقت عام انتخابات سر پر ہیں اور برساتی مینڈکوں کی طرح سیاسی جماعتیں مسلمانوں کے ووٹوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے پر آمادہ نظر آتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا نہیں ہونے دینا ہے۔ حکمراں جماعت کانگریس اگر واقعی مسلمانوں کے معاملے میں مخلص ہے تو وہ انتخابات سے پہلے اپنے وعدوں کا تھوڑا بھی اثر دکھا سکتی ہے دوسری جماعتیں جہاں جہاں صوبائی سطح پر برسر اقتدار ہیں وہ وہاں وہاں صوبوں میں عام انتخابات سے پہلے مسلمانوں کی بھلائی کے اقدام کرکے کچھ دکھا سکتی ہیں ورنہ مسلمان ان پر اعتماد نہیں کریں گے اور نہ ووٹ دیں گے۔ مسلمانوں کے لئے یہ ہونا چاہئے۔

ملکی اور صوبائی سطح پر صحیح مردم شماری اور اس کے نتائج خفیہ رکھنے کے بجائے ظاہر کئے جائیں۔ مسلمانوں کو سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں مناسب نمائندگی دی جائے، مسلمانوں کو ہر صوبے میں پولیس فورس میں ۲۵ فیصد بھرتی دی جائے، پی۔ اے۔ سی۔ کو ختم کیا جائے۔ یہ مکمل طور پر فرقہ پرست ہے، سی۔ آر۔ پی۔ ایف۔ کو ڈسپلن کی اعلی تربیت دی جائے یا ختم کیا جائے۔ کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ خصوصا خواتین کی بے حرمتی، لوٹ پاٹ، توڑ پھوڑ، آتش زدگی و تباہ کاری میں اس کا بڑا ہاتھ ہے اقلیتی کمیشن کو اور مضبوط اور بااختیار بنایا جائے۔ صوبائی سطح پر ہی نہیں ضلعی سطح پر بھی اقلیتی کمیشن کا قیام ہو اور ان کی سفارشات پر فوری عمل ہو جیسے غیر انسانی قوانین کی منسوخی اور ان کے جیسے کسی دوسرے نام سے ویسے ہی بدترین قوانین نہ بنائے جائیں۔ بابری مسجد کی بحالی۔ اس سے متعلق عدالت میں جو بھی مقدمہ باقی ہو اس کی رفتار تیز کرکے اسے جلد سے جلد آخری فیصلے تک پہنچنے دیا جائے۔

پنجاب میں جو تین ہزار مسجدیں مسلمانوں سے چھینی گئی ہیں، ۱۹۴۷ء سے جس میں گائے بھینس بندھتی ہیں یا گورنمنٹ آفس (سرکاری دفاتر) کھلے ہیں ان سب کو مسلمانوں کو واپس کیا جائے۔ اسی طرح پورے ہندوستان میں خصوصا دہلی میں جن جن مسجدوں پر دوسری قوموں کا غاصبانہ قبضہ ہے انہیں واپس کرواکر مسلمانوں کو واپس کیا جائے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد جہاں جہاں مسلم کش فسادات ہوئے ہیں سب کے ذمے داران کے خلاف سخت کارروائی ہو اور مسلمانوں کا مالی و جانی جتنا بھی نقصان جہاں کہیں بھی ہوا ہے سب کی جلد سے جلد تلافی ہو۔ ہر طرح کی جنونی فرقہ پرست تنظیموں پر مکمل پابندی اور پچھلے دس سالوں میں مسلمانوں کے خلاف ان سب کے کالے کرتوتوں کا احتساب اور سخت سزائیں ہوں۔ یہ بھی ضمانت دی جائے کہ مشترکہ سول کوڈ نہیں لایا جائے گا۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب پر پوری طرح سے چلنے کی عملی آزادی دی جائے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتی سرکاری اداروں میں نماز، نماز جمعہ پر جو پابندی لگادی گئی ہے وہ اٹھالی جائے۔ اردو کو اس کا جائز حق ملکی و صوبائی سطح پر دیا جائے۔ یوپی میں اردو کو دوسری زبان کا جائز مقام فی الفور دیا جائے۔

صلاح الدین احمد سینگری، انوشکتی نگر۔ بمبئی

کرپٹ سیاست کا خاتمہ۔ وقت کی پکار ہے

حکمرانوں و پارٹیوں کے ذمہ داران کی متعصبانہ غیر ذمہ دارانہ اور کرپٹ کارگزاریوں کے سبب تقریبا ہر سطح پر ملک کا نظم و نسق بے انتہا ابتر ہوچکا ہے۔ ذاتی مفادات اور کرسی اقتدار کے لئے مذہبی سیاسی قائدین اور حکمرانوں نے کیا نہیں کیا؟ مختلف مذہب کے ماننے والوں کے مابین نفرت پیدا کی اور ہر برائی کے بانی کی ہر طرح سے پشت پناہی و مدد جاری رکھی گئی، مسلم دشمن مذہبی، سیاسی قائدین کو کھلی چھوٹ دے دی گئی، متعصب جماعتوں کو منظم مستحکم کرنے کے وسیع تر مواقع دئے گئے۔ جرائم پسندوں، غنڈوں، قاتلوں کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی گئی، حصول ووٹ کے لئے ووٹروں کو ڈرانے، ہر طرح سے مرعوب کرنے کے لئے غنڈوں سے مدد لی گئی۔ خاطی مذہبی، سیاسی قائدین و وزرا صاحبان کو قابل گرفت، عبرتناک سزاوؤں سے محفوظ رکھا گیا۔ اردو کو جائز مقام دینے کے معاملے میں صرف وعدوں سے بہلایا گیا۔ اس قسم کی سیاست اور رجحان کا خاتمہ ہونا چاہئے ورنہ عذاب الہی ہمارا مقدر بن جائے گا۔

احمد حسین اگریکلچرسٹ
سابق نائب صدر رائچور تعلقہ جنتا پارٹی
(جے۔پی) نزد ہمدرد ہائی اسکول۔ رائچور

لمحہ لمحہ انتظار اور دنیا کے مسلمان

یہ محض خدا کا فضل و کرم اور آپ حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ "ملی ٹائمز" اس ہوش ربا گرانی کے عالم میں نہایت پابندی سے وقت پر شائع ہورہا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۱ تا ۱۵ اپریل کا شمارہ دیکھنے کو ملا، ایک ہی وقت میں تمام پڑھ لیا۔ ماشاء اللہ خوب فسطائیوں کی حقیقت پر لکھ رہے ہیں اور ان کی اسلام و مسلم دشمنی سامنے لارہے ہیں۔ ایران کے سلسلے میں یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ اس کو پریشان کرنے کے لئے کس طرح مغرب ہتھکنڈے استعمال کررہا ہے۔ آخری صفحہ پر کالم "لمحہ لمحہ انتظار" واقعی بہت دردناک ہے۔ یہ صرف ایک علاقے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ آج ہر طرف سے مسلمانوں کو ایسا ہی سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ اور وہ لمحہ لمحہ کا انتظار کریں گے تاکہ کوئی صلاح الدین ایوبی آکر ان کو نجات دلائے۔ اسی طرح ڈیانا کے سلسلے کے مضمون میں آپ نے مغرب کی قلعی کھول دی۔ کہ آج مغرب کا معاشرہ کس طرح تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ غور و فکر کا مقام ہے۔ اس پر تمام ہی اصحاب "ملی ٹائمز" مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ابن محمد مصطفی۔ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ۔ یوپی

ملی ٹائمز کلیدی رول ادا کرے گا

ہفت روزہ ملی ٹائمز کے مطالعہ سے مجھے کافی قلبی فرحت محسوس ہوئی تمام مضامین بے حد قابل مطالعہ ہیں قلیل ایام میں ملی ٹائمز اپنا مقام نمایاں کرچکا ہے یقین ہے آئندہ عوام میں ہردلعزیز ہوگا مجھے امید ہے ملی ٹائمز ملت کے لئے کلیدی رول ادا کرے گا۔

محمد سہیل ملی
خادم ملی پارلیامنٹ اردو بازار، کیندرا پاڑہ، اڑیسہ

ملی ٹائمز اور مسلمان

دلوں کو سکون بخشنے والا اخبار نکالنے کے لئے مبارکباد قبول کریں۔ میرے خیال میں آپ کو مسلمانوں پر ہورہے ظلم کا احساس ضرور ہے اس لئے آپ مہربانی کرکے مسلم قوم کی رہنمائی ضرور کریں۔ پٹنہ اجلاس میں کچھ قرارداد پاس ہوئی اس سلسلے میں آپ کیا قدم اٹھانے جارہے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے اس الیکشن میں کیا کوئی آپ کا مشورہ ہے اگر ہے تو ضرور لکھیں۔

عزیز الرحمن۔ مظفرپور۔ بہار

حقائق پر مبنی ملی ٹائمز

۱ تا ۱۵ اپریل ۱۹۹۶ کے ملی ٹائمز میں حقائق پر مبنی خبریں و دل و دماغ کو روشن کردینے والی باتیں شائع ہوئی ہیں۔ عنوان۔ آخر یہ صورتحال ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کیوں نہیں کرتی کہ ہم نے دنیاوی برائیوں کو ہوا اور پانی کی طرح بنیادی ضرورت بنالیا ہے۔ بالکل صحیح ہے۔ اسلام کے ماننے والے اسلام پر سختی سے عمل کرتے تو دنیا جنت و امن کا گہوارہ ہوتی۔ واجپئی کی حقیقت معلوم ہوئی کہ اردو کے بارے میں ان بیچاروں کو معلوم نہیں کہ اردو کا کہاں جنم ہوا ہے۔ منموہن سنگھ سے اردو اشعار سننے کے عادی ہیں پارلیمنٹ میں۔ کیا یہ پارلیمنٹ پاکستان کا دفتر ہوگیا؟ کاش ہندوستان کا بٹوارہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ خدا کرے ملی ٹائمز زیادہ سے زیادہ چمکے آمین۔

محمد سمیع اللہ خاں باز
صدر اردو ملاپ سوسائٹی، بھدراوتی۔ کرناٹک

سہ ماہی رسالے کا اجراء

دمکا (بہار) سے اردو سہ ماہی کا اجراء جون ۱۹۹۶ء سے

سہ ماہی "فکر رحمانی" دمکا۔
زر سالانہ۔ ایک سو روپے
مینجنگ ایڈیٹر۔ ڈاکٹر مجیب الرحمن عارف سنگاپوری
رابطہ: ڈاکٹر مجیب الرحمن۔ ویٹنری اسپتال پوسٹ۔ شیو پہاڑ۔ ضلع دمکا۔ ۸۱۴۱۰۱ (بہار)

تصویر سرورق بشکریہ انگریزی ہفت روزہ "ویک"

مسلم تنظیموں کی قابل ذکر اکثریت خدا اور اس کے رسول سے بغاوت پر آمادہ ہے

آخر یہ لوگ انتخابی میدان کی تینوں برائیوں سے دامن بچانے کی فکر کیوں نہیں کرتے

موجودہ الیکشن میں مسلم ووٹوں کے مسئلے پر مسلم تنظیموں، اداروں اور شخصیات کے مابین جو زبردست اختلاف ہے اس سے کچھ اور واضح ہو یا نہ ہو البتہ ایک بات جو نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلم تنظیموں کی قابل ذکر اکثریت خدا اور اس کے رسول سے بغاوت پر آمادہ ہے۔ حتی کہ وہ لوگ بھی جو کبھی قرآنی نظام کے قیام کی باتیں کرتے تھے اب سیکولر ڈیموکریسی کی خدمت پر مامور ہوگئے ہیں۔ الیکشن کے انتشار نے سب سے زیادہ نقصان تو جماعت اسلامی کا کیا ہے جس نے اب اپنی قبا ہی تبدیل کردی ہے اور جس کی جد و جہد کا مقصد قرآنی معاشرے کے قیام کے بجائے سیکولر ڈیموکریسی کا استحکام قرار پایا ہے۔ جماعت اسلامی پر قابض موجودہ گروپ رفتہ رفتہ اسے جمعیۃ العلما کی طرح کانگریس کا ضمیمہ بنادینا چاہتا ہے۔ سیاسی سیل کے قیام اور مسلم مجلس مشاورت کے فورم کو استعمال کرکے جماعت اسلامی کی دنیا دار قیادت جو کچھ کررہی ہے یہ وہی کھیل ہے جو گذشتہ پچاس سال سے اس ملک میں جمعیۃ العلما کھیلتی آئی ہے اور جس کا لب لباب یہ ہے کہ کانگریس کو اس ملک پر حکمرانی کا حق دے دیجئے۔

دریں اثنا جماعت کے دردمند حلقوں میں بڑی بے چینی کا اظہار ہورہا ہے۔ پرانی فکر کے لوگ اب برملا یہ پوچھنے لگے ہیں کہ امت کا جو ادارہ غلبہ اسلام کے لئے قائم کیا گیا تھا اور جس کے لئے اس غریب امت نے اپنا پیٹ کاٹ کر سرمایہ فراہم کیا تھا اس بیش قیمت وسائل کو نظام کفر کے استحکام کے لئے صرف کئے جانے کا حق موجودہ قیادت کو کیسے حاصل ہوگیا۔ پھر جو لوگ کانگریس کو اس ملک کی سیکولر روایات کا امین سمجھتے ہیں اور جو اس کی حکومت کی بقا کے لئے کوشاں ہیں آخر وہ جماعت کو خیر باد کہہ کر کانگریس پارٹی میں شامل کیوں نہیں ہوجاتے۔ اپنے اس مکروہ عمل کے لئے جماعت کے بعض اکابرین یہ دلیل لاتے ہیں کہ جب بڑی اور چھوٹی برائی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو چھوٹی برائی کے اختیار کے لئے جواز نکل آتا ہے۔ ذرا ان سے کوئی یہ پوچھے کہ جب آپ کو زنا کاری، اغلام بازی اور شراب نوشی میں سے کسی ایک برائی کا انتخاب کرنا ہو تو آپ کس پسندیدہ برائی کو اختیار کرنے کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ الیکشن کے موجودہ منظر نامے میں کچھ اسی طرح کی تین برائیاں آپ کے سامنے ہیں۔ پھر آپ ان تینوں برائیوں سے اپنا دامن بچانے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔

> پرانی فکر کے لوگ اب برملا یہ پوچھنے لگے ہیں کہ امت کے بیش قیمت وسائل کو نظام کفر کے استحکام کے لئے صرف کئے جانے کا حق موجودہ قیادت کو کیسے حاصل ہوگیا۔ پھر جو لوگ کانگریس کو اس ملک کی سیکولر روایات کا امین سمجھتے ہیں اور جو اس کی حکومت کی بقا کے لئے کوشاں ہیں آخر وہ جماعت کو خیر باد کہہ کر کانگریس پارٹی میں شامل کیوں نہیں ہوجاتے۔

کانگریس نے مسلمانوں کی خرید و فروخت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس سے ایک تکلیف دہ صورتحال یہ سامنے آئی ہے کہ بڑی بڑی ٹوپیوں والے حضرات کی قیمت چند ہزار سے زیادہ نہیں لگ پائی ہے۔ اور بعض تو صرف اس امید پر خوش ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں ان کا بھی کچھ بھلا ہوجائے۔ گذشتہ دنوں لکھنؤ میں پرسنل لا بورڈ کی میٹنگ میں ایک سیاسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کی گئی لیکن اس عمل میں کامیابی اس لئے نہ مل سکی کہ ان میں سے بعض حضرات کانگریس کے وفادار تھے تو بعض کی دیں جنتادل کی قیادت کی مٹھی میں تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی رسمی فیصلے کے اجرا کے بغیر بعض لوگوں نے غیر رسمی طور پر تیسرے فرنٹ کی تائید کی اور بعض حضرات نے کانگریس کو ووٹ دینا عین فرض ایمان جانا۔ کچھ یہی معاملہ ملی کونسل کی میٹنگ میں بھی پیش آیا۔ جو بظاہر تو اس مقصد کے لئے بلائی گئی تھی کہ مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کا کام انجام دے۔ لیکن در پردہ یہ جنتادل کا کھیل تھا کہ اس کے سکریٹری اسرار الحق قاسمی کشن گنج سے جنتادل کے ٹکٹ کے حصول کے لئے کوشش کرچکے ہیں اور یہ اپنے قیام کے روز اول سے بہار کی لالو حکومت کا بازیچہ بنی رہی ہے۔

> کانگریس نے مسلمانوں کی خرید و فروخت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس سے ایک تکلیف دہ صورتحال یہ سامنے آئی ہے کہ بڑی بڑی ٹوپیوں والے حضرات کی قیمت چند ہزار سے زیادہ نہیں لگ پائی ہے اور بعض تو صرف اس امید پر خوش ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں ان کا بھی کچھ بھلا ہوجائے۔

دریں اثنا دیوبند (وقف) ادارے سے بھی کانگریس کی حمایت میں آواز اٹھی ہے اور کچھ انہی خیالات کا اظہار عوامی رد عمل کی وجہ سے دبے دبے لہجے میں دہلی کی جامع مسجد سے بھی ہورہا ہے۔

عام مسلمان امت کی خرید و فروخت پر سخت مضطرب اور پریشان ہے۔ اسے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس امت کے پاس خدا کا آخری پیغام اور آخری رسول کی سنت موجود ہو آخر اس کے لئے عملی راہ کی تعین کا کام اتنا دشوار کیوں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس وقت امت کے اضطراب کے ازالے کے لئے اپنے دماغ کی کسی اپج کے بجائے کتاب و سنت کی روشنی میں کوئی واضح راستہ متعین کیا جائے۔ عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ مسلم تنظیموں، علماء اور بعض شخصیات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

بقیہ: قائد ملی پارلیامنٹ کا ایک اہم انٹرویو

کی باتیں کی جارہی ہیں، آپ اس سلسلہ میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: — نااہل اور بے عمل مسلمانوں کے لئے یہ بہت آسان ہے کہ وہ کسی انقلابی تحریک کو جذباتی ابال بتا کر اس کی قدر و قیمت کو کم کردیں۔ اول تو جذباتی ہونا ایک منفی پہلو نہیں ہے۔ یعنی اسلام کو مظلوم اور آخری رسول کی امت کی تذلیل دیکھ کر اگر کسی مسلمان کے دل میں اس نظام کو الٹ پھینکنے کے لئے جذبات پیدا نہ ہوتے ہوں تو اسے اپنے ایمان پر شک کرنا چاہئے۔ آپ سے زیادہ بردبار اور متحمل شخصیت کس کی ہوگی لیکن آپ کی سیرت میں ایسے بے شمار مواقع کو ملتے ہیں جب آپ کے چہرے پر جذبات کی شدت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی دین کو مظلوم دیکھ کر حمیت اسلامی کا عین تقاضا ہے کہ آپ غصہ ہوں اور آپ کے جذبات برانگیختہ ہوجائیں۔ البتہ کسی انقلابی تحریک کے لئے اس حمیت اسلامی کو کمال احتیاط کے ساتھ برتنا ایک کامیابی سے ہمکنار کردیتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو خود کو جذباتی نہیں سمجھتے یا اسلام اور مسلمانوں کی تذلیل پر ان کے جذبات برانگیختہ نہیں ہوتے اور ان پر ایک پرسکون دانشوری کی فضا طاری رہتی ہے اور پھر بھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا تعلق اسی امت سے ہے جس میں اسلام کے معمولی استہزاء یا رسول کی شان میں تضحیک کے جملے حضرت عمر کو اپنی تلوار بے نیام کردینے پر مجبور کردیتی تھی تو انہیں چاہئے کہ اپنے اس رویے کا از سر نو جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ رسول اللہ کی نگاہ میں ان کا ٹھنڈا ٹھنڈا دانشورانہ اسلام زیادہ معتبر ہے یا حضرت عمر کا جذباتی اور والہانہ اظہار وارفتگی۔

سوال: — آپ کے نزدیک مسلمانوں کے بنیادی مسائل کیا ہیں؟ ان میں آپ کے نزدیک ترجیحی مسائل کون سے ہیں؟ آزادی کے بعد سے ملت اسلامیہ کی تاریخ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی سطح پر اپنی توانائیوں کو لگانے کے بجائے دینی، معاشی اور تعلیمی محاذوں پر لگانا چاہئے، اس کے متعلق آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: — سیاسی میدان میں سخت پسپائی کے بعد گزشتہ چند سالوں سے ہمارے درمیان یہ رجحان پرورش پاتا رہا ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی محاذ پر اپنی قوت صرف کرنے کے بجائے تعلیمی اور معاشی محاذ پر جدوجہد کرنی چاہئے۔ بظاہر اس بات میں بڑا وزن معلوم ہوتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ ایک جزوی حقیقت ہے۔ معاشی اور تعلیمی سرگرمیاں سیاسی دنیا سے بے تعلق نہیں رہ سکتیں، اور محض تعلیمی اداروں کا جال بچھانا امت کے لئے نشاۃ ثانیہ کے دروازے نہیں کھول سکتا۔ ہاں البتہ اگر یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہو تو سیاست سے فوری طور پر کنارہ کشی کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر ایک ایسی سیاست سے جو گزشتہ پچاس سالوں میں مسلمانوں سے انہیں کچھ دینے کے بجائے ان سے بہت کچھ چھینتی رہی ہے۔

البتہ امت کی کسی بھی شیرازہ بندی میں آپ کو سب سے پہلے یہ طے کرنا پڑے گا کہ اس ملک میں آپ امت مسلمہ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟ پھر امت مسلمہ کے لئے کسی مقام کے تعین کے سلسلے میں آپ کے پیش نظر وہی کچھ ہونا چاہئے جو اللہ اور اس کے رسول نے اس کے لئے طے کردیا ہے۔ البتہ موجودہ ہندوستان میں تعلیمی اور معاشی ترقی کا مروجہ نعرہ کسی اسلامی مستقبل کے احساس سے خالی اور یکسر نابلد ہے۔ ہمیں اس بارے مفکر مند ہونا چاہئے۔

> ملک کو از سر نو ایک نئے سیاسی جغرافیے کی بنیاد پر منظم کرنا دراصل موجودہ سیاسی نظام میں بعض بڑی خامیوں پر قابو پانے کی ایک کوشش ہے۔ اسے علاحدگی پسندی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا

سوال: — ملک کے موجودہ نقشہ میں سیاسی سطح پر علاحدگی پسندی کی بات کرنے کو غیر دانشمندی سمجھا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ملت کے نام پر اتحاد کی دعوت نے ہم مسلمانوں کو متحد نہیں کیا، البتہ اغیار کو منفی بنیادوں پر ہی سہی متحد ضرور کردیا، ملی پارلیامنٹ کی کوششوں کے رخ کو دیکھتے ہوئے بھی اسی خدشے کا اظہار کیا جارہا ہے

جواب: — ملک کو از سر نو ایک نئے سیاسی جغرافیے کی بنیاد پر منظم کرنا دراصل موجودہ سیاسی نظام میں بعض بڑی خامیوں پر قابو پانے کی ایک کوشش ہے۔ اسے علاحدگی پسندی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے ملک کو ۱۲۲ ریاستوں کے وفاق میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی ہے تاکہ ہر چھوٹی ریاست زیادہ منظم طریقے سے ترقیاتی منصوبوں پر عمل کرسکے۔ انتظامی امور کے سلسلے میں بڑے ضلع کو چھوٹے چھوٹے ضلعوں میں منقسم کرنا کوئی نئی سیاسی بدعت نہیں ہے۔ ۱۲۲ تہذیبی ریاستوں کا وفاق جو مستقبل کے ہندوستان کے لئے ہماری تجویز ہے، ہر تہذیبی اکائی کو ریاستی سرپرستی عطا کرتی ہے اور متعلقہ ریاستوں میں ہر تہذیب کو پھلنے پھولنے کے وافر امکانات مہیا ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی اسکیم ہے جو مختلف چھوٹی تہذیبی اکائیوں میں پرورش پارہے احساس محرومی کو ختم کرسکتی ہے۔

یہ عجیب مذاق ہے کہ دانش مندی کی ہر اسکیم کو ہمارے نام نہاد دانشمند غیر دانشمندی سمجھتے ہیں اور ظلم و جبر کی موجودہ صورت حال میں گھٹ گھٹ کر جئے جانے کو عین کار دانشمندی سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی عجب دلیل ہے کہ ہم اس لئے اپنے اتحاد کی کوشش نہ کریں یا اپنی صفوں کو درست نہ کریں کہ ہمارے اس عمل سے دشمن متحد ہوجائیں گے۔ جو لوگ ملی پارلیامنٹ کی انقلابی دعوت سے اندیشوں کے شکار ہیں انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خطرات سے ہی امکانات کا ظہور ہوتا ہے۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب موجودہ نظام جبر ہر لمحے آپ کے گرد اپنا گھیرا سخت کرتا جارہا ہو تو محض خاموش بیٹھے رہنا یا اندیشوں کا اظہار کرنا آپ کو کب تک زندگی کی مہلت دے سکتا ہے۔

سوال: — ملک کے علماء، ملی قائدین، برادران وطن اور پریس نے آپ کے پٹنہ اجلاس اور خود ملی پارلیامنٹ کے وجود و قیام کو کن نگاہوں سے دیکھا ہے؟

جواب: — علماء، قائدین، کفار و مشرکین اور ہندو پریس ملی پارلیامنٹ کے انقلابی ایجنڈے سے قدرے متوحش ہیں ملی قیادت جو رسول اللہ کے پیغام سے نابلد نہیں وہ اس بات سے انکار تو نہیں کرتی کہ یہ باتیں صحیح نہیں ہیں، البتہ ان کے دل و دماغ ابھی اس بات پر آمادہ نہیں ہیں کہ آخر ان باتوں کو اس ملک میں کیسے برتا جاسکے گا۔ کفار و مشرکین غضبناک ہیں اور سیاسی بازیگر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو ان کی اصل حیثیت کا احساس دلادیا گیا تو ان پر قابو پانا مشکل ہوجائے گا۔ کچھ اسی رویے کا اظہار ہندو پریس نے کیا ہے۔ انگریزی کے قومی اخبارات میں اسی نوعیت کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ہم ابھی تک عام لوگوں کو یہ باور نہیں کرا پائے ہیں کہ ملی پارلیامنٹ کا سیاسی ایجنڈا عام باشندگان ملک کے لئے بھی نظام رحمت ثابت ہوگا اور وہ تمام لوگ جو موجودہ نظام کفر کی فتنہ سامانیوں کے شکار ہیں ان کے لئے ہمارے پاس علاج موجود ہے۔ ہمیں یہ احساس بھی عام کرنا ہے کہ ہم کسی مخصوص قوم کے خلاف نہیں اور یہ کہ ہماری تحریک ہندو مخالف نہیں ہے۔ ہم تو صرف ایک پیغام لے کر اٹھے ہیں جس میں ہر ذی روح کے لئے سکون و رحمت کا سامان موجود ہے۔ میرے خیال میں ہمارے پیغام کا یہ پہلو ابھی بہت تشنہ ہے۔

انہیں محض اس بنا پر عتاب کا نشانہ بنایا جارہا ہے کہ ان کے سربراہان خاندان کی وابستگی اسلامی تنظیموں سے ہے

مظلوموں کو سیاسی پناہ دینے کا دعویدار فرانس مسلم پناہ گزینوں کے لئے ظالم بن گیا

ان کی سیاسی پناہ کی درخواستوں پر نہ کوئی کاروائی ہوتی ہے نہ کوئی ان کا مثبت یا منفی جواب دیا جاتا ہے حالانکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی حقوق کی تنظیموں کے ضابطے کے مطابق ان کی پناہ گزیں ہونے کی حیثیت بھی کہیں سے مشکوک نہیں ہے۔

گذشتہ دنوں فرانس نے دہشت گردی مخالف کانفرنس میں شرکت کی تھی اور پوری دنیا سے دہشت گردوں کے خاتمہ پر دیگر سربراہوں کے ساتھ اس نے بھی زور دیا تھا لیکن اس ملک میں سیاسی پناہ کے طالب خاندانوں کی ایسی بڑی تعداد ہے جن کے افراد اس بنا پر سخت سماجی اور معاشی مشکلات سے دوچار ہیں کہ فرانسیسی حکومت نے اپنے ایک غیر معلنہ فیصلے کی رو سے انھیں سیاسی پناہ کے حق سے محروم کردیا ہے۔ اور اس کا سبب وہاں کے حکام کے خیال کے مطابق ان خاندانوں کے سربراہوں کی اسلامی تنظیموں سے وابستگی ہے ان تنظیموں کو فرانس اور دیگر ممالک دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ لہذا ان کی سیاسی پناہ کی درخواستوں پر نہ کوئی کارروائی ہوتی ہے نہ کوئی ان کا مثبت یا منفی جواب دیا جاتا ہے حالانکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی حقوق کی تنظیموں کے ضابطے کے مطابق ان کی پناہ گزیں ہونے کی حیثیت بھی کہیں سے مشکوک نہیں ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض شمال افریقی تنظیموں نے خصوصا الجزائر، تیونس اور مصر میں اسلامی رجحان کو دبانے کا موقف اختیار کیا تو اسلامی تحریکوں سے وابستہ مظلوم افراد کو روپوشی اور فرار کی راہ لینی پڑی۔

تیونس میں ۱۹۸۷ کی سیاسی تبدیلیوں کے بعد کچھ دن اسلام پسندوں اور حکومت کے درمیان امن و سکون کی فضا ضرور قائم ہوئی تھی لیکن جیسے ہی ۱۹۸۹ کے انتخابات میں وہاں حالات ابتر ہوئے تو وہاں کی سیاسی زندگی ۱۹۶۰ کی دہائی سے چلتے آئے انتشار کی طرف لوٹ گئی۔

فرانس کی اشتراکی حکومت نے متراں کے دور حکومت میں سیاسی پناہ کے قانون میں بعض ترمیمات کیں جن کے تحت سیاسی پناہ کے درخواست گذاروں کو چھ ماہ کے اندر پناہ گزیں ہونے کا شناختی کارڈ جاری ہوجایا کرے گا اور یہ مدت گذر جانے کی صورت میں سمجھ لیا جانا چاہئے کہ حکومت کی طرف سے درخواست نامنظور کردی گئی ہے۔ لیکن ان مظلوموں کے ساتھ پریشانی یہ ہے کہ اس چھ ماہ کے انتظار کی مدت میں انھیں شہری حکام کی طرف سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کوئی کام دھندہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ گویا کہ سیاسی پناہ سے محروم کرنے میں حکومت کا مقصد یہ ہے کہ انھیں معاشی پناہ کے لیے بھی قابل اعتنا نہ گردانا جائے۔

یہاں اس جانب اشارہ کردینا برمحل ہوگا کہ اس دوران صدارتی انتخابات میں داہنے بازو کے برسراقتدار آنے تک جن اسلام پسندوں کو سیاسی پناہ حاصل کرنے میں کامیابی ملی ہے ان کے الاؤنس میں خاصی تخفیف کردی گئی ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ الجزائر اور تونس کے بہت سے اسلام پسندوں کی درخواست کی فائلیں تعطل میں ڈال دی گئی ہیں۔ تیونسی انقلابی تحریک سے وابستہ ایک سو بیس افراد کی فائلیں معلق ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے خاندان کے تقریبا نصف افراد تونس میں بے یارو مددگار پڑے ہوئے ہیں۔ اور ۱۵ فیصد ایسے ہیں جو اپنے خاندانوں کے ساتھ فرانس میں تو ہیں لیکن کسمپرسی میں دن گذار رہے ہیں۔ کوئی ذریعہ معاش انکے پاس نہیں، خاندان کی ذمہ داریاں ان پر برابر بڑھتی جارہی ہیں۔ فرانسیسی حکام ہیں کہ فائلوں کو طوالت میں ڈالنے کی سیاست سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔

فرانس کے مسلمان حکومت کے رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے

اس طرح جب اقتصادی بائیکاٹ جیسی صورت حال پیدا ہوگئی تو اسلام پسندوں نے ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ انسانی اور قانونی تنظیموں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے۔ اس کمیٹی نے متعلقہ فرانسیسی حکام سے مراسلت کرکے پناہ گزینوں کی دن بدن بگڑتی ہوئی حالت سے انھیں آگاہ کیا۔ اس کے علاوہ فرانسیسی تنظیم برائے پناہ گزیں کرسچین ایمنسٹی، ریڈ کراس اور سوشل سنٹر برائے امداد اجانب جیسے اداروں کو بھی اس صورت حال سے باخبر کیا گیا کیونکہ پناہ گزینوں سے متعلق سیاسی موقف پر اثر انداز ہونے والے ادارے یہی کہے جاسکتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان سارے اقدامات کے باوجود ان اداروں کی جانب سے جو رد عمل ہوا وہ حد درجہ کمزور تھا۔ ہرچند کہ ان اداروں نے کارروائی کی منتظر فائلوں پر کوئی سنوائی کرانے کے سلسلے میں کوشش کا وعدہ کیا لیکن اس کے بعد بھی یہی معلوم ہوا کہ معاملہ جوں کا توں ہی ہے۔ مذکورہ تنظیموں کے بعض ذمہ داران سے رابطہ قائم کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ ان اسلام پسندوں کی فائلوں پر کارروائی روک دینے کا معاملہ تیونسی اور فرانسیسی حکومت کے باہمی روابط کی نوعیت کے دائرہ کار میں آتا ہے جس کی رو سے تونس میں اسلامی بیداری سے فرانسیسی حکومت کو چوکنا رہنا ہے اور الجزائر سے مراقش تک پھیلی ہوئی بدامنی کے سلسلے کا سد باب کرنا ہے۔

اپنے دین کی راہ میں در بدر ہونے والے تارکین وطن میں ضعیف عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی کمسن بچے اور بچیاں بھی اور شیر خوار بھی جن کے پاس پیٹ بھرنے، تن ڈھکنے اور سر چھپانے کا کوئی سہارا نہیں۔ جنہیں اگر ایمنسٹی انٹرنیشنل سے کچھ عرصہ تک بڑی تگ ودو کے بعد الاؤنس مل بھی جاتا ہے تو وہ اس کمر توڑ منگائی کے سامنے عام ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مصلحت پسندانہ اور تاجرانہ موقف سے مسلمان مہاجر خاندانوں پر تکلیف دہ سماجی اور نفسیاتی اثرات مرتب ہوئے ہیں جو ایک ایسے ملک میں اس یقین کے ساتھ آئے تھے کہ وہ نظریاتی طور پر انسانی حقوق کے محافظ اور مظلوموں کو سیاسی پناہ دینے کا دعویدار رہا ہے۔

اپنے دین کی راہ میں در بدر ہونے والے تارکین وطن میں ضعیف عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی کمسن بچے اور بچیاں بھی اور شیر خوار بھی جن کے پاس پیٹ بھرنے، تن ڈھکنے اور سر چھپانے کا کوئی سہارا نہیں۔ جنہیں اگر ایمنسٹی انٹرنیشنل سے کچھ عرصہ تک بڑی تگ و دو کے بعد الاؤنس مل بھی جاتا ہے تو وہ اس کمر توڑ منگائی کے سامنے عام ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ناکافی ہوتا ہے ایسے کسی بھی خاندان کے فرد سے بات کرکے دیکھئے تو وہ فقر و فاقہ، اہانت و تذلیل اور مایوسی کی غمناک روداد ہی کہے گا کیونکہ وہ اس پر بیتی ہے۔ یہ سب سن کر آپ کی آنکھیں چھلک آئیں گی لیکن ان مظلوموں کی آہیں فرانسیسی حکام کی مصلحت پسندانہ قانون و ضابطے سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں۔

اسے مت پڑھئے

فرانس کے صدر جیکس شیراک کی بیٹی کلاڈے نے ۲۲ مارچ کو ایک بچے کو جنم دیا تو وہ غیر شادی شدہ تھیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ فرانس میں ۴۰ فیصد مائیں غیر شادی شدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلاڈے کے بے شوہر کے ماں بن جانے پر وہ ہنگامہ نہیں ہوا جو کچھ دنوں قبل فلپائن کی سابق صدر کورازن اکینو کی بیٹی کے بغیر شادی کے ماں بن جانے پر ہوا تھا۔

کلاڈے کی بیٹی کا باپ کوئی نامعلوم شخص نہیں ہے۔ یہ جوڈو کا سابق چمپین ہے جو آج کل ٹی وی پر پروگرام پیش کرتا ہے۔ جب جیکس شیراک کو اپنے نانا ہونے کی خبر دی گئی تو ان کی پیشانی پر اس سے کوئی شکن نمودار نہیں ہوئی کہ ان کی بیٹی بن بیاہی ہے۔ بلکہ وہ کافی خوش ہوئے۔ انہوں نے ایوان صدر ایلائزی میں ایک تقریب کا انعقاد کرکے اس "خوشخبری" کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ کلاڈے قصر صدارت ہی میں اپنے باپ کی مواصلاتی مشیر کی حیثیت سے ملازم ہیں۔

یہ خبر فرانس کے لئے کوئی اہم خبر نہیں تھی کہ ان کے صدر کی بیٹی بن بیاہی ماں بن گئی ہے۔ دراصل فرانسیسی عوام کو اپنے لیڈروں کی جنسی زندگی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ شیراک سے قبل صدر متراں کا حال یہ تھا کہ ان کی کئی داشتائیں تھیں اور ان میں سے ایک سے ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔ پھر ایسے سماج میں جہاں کی ماؤں میں چالیس فیصد بن بیاہی ہوتی ہیں، وہاں اگر صدر کی بیٹی نے بھی یہی "کارنامہ" انجام دیا ہے تو اس میں نیا پن کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس کے اخباروں نے اس خبر کو نہ تو نمایاں انداز سے شائع کیا اور نہ ہی کوئی اس پر چیں بہ جبیں ہوا۔ بلکہ بیشتر اخباروں نے اسے مختصرا بس اندرونی صفحات میں جگہ دی۔

کچھ ایسا ہی رویہ فرانسیسی اخبارات نے اس وقت بھی اپنایا تھا جب سابق صدر متراں کی تدفین میں ان کی داشتہ ان کی ناجائز اولاد ۲۱ سالہ میزارین کے ساتھ ان کے اصل خاندان کے ساتھ شریک ہوئی تھیں۔ بعد میں تو متراں کی بیوہ نے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے شوہر کی اس بات کے لیے تعریف کی کہ انہیں عورتیں "پھنسانے" کا فن خوب آتا تھا۔ جس سماج کا رویہ یہ ہو وہاں بن بیاہی ماؤں کے مسئلے پر شور شرابا کیوں ہوگا۔

فرانس کے لوگ اکثر معاملات میں خود کو اہل برطانیہ سے برتر ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ بزعم خود وہ اپنے کلچر کو برطانوی کلچر سے اعلی تصور کرتے ہیں۔ سیکس کے معاملے میں بھی ان کا خیال ہے کہ وہ اہل برطانیہ سے کہیں بہتر ہیں۔ رائے شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ۸۶ فیصد عورتیں اور ۷۰ فیصد مرد اپنے بیاہے یا بن بیاہے زن و شوہر کے وفادار ہیں۔ صرف تین فیصد مردوں اور ایک فیصد خواتین نے بے وفائی کا اعتراف کیا۔ ۸۴ فیصد مرد اور ۹۳ فیصد عورتیں ایک ہی پارٹنر کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں۔ ۹۳ فیصد فرانسیسی خاندانی نظام میں یقین رکھتے ہیں اور ۸۹ فیصد کا خیال ہے کہ خاندان ہمیشہ فرانسیسی سماج کی بنیاد بنا رہے گا
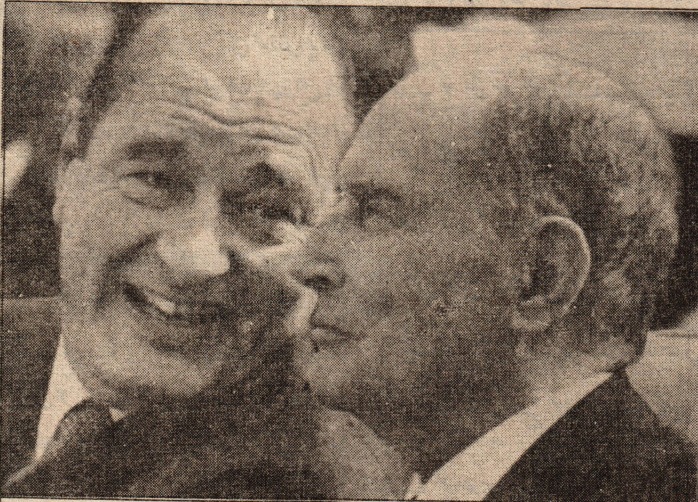
سابق صدر متراں اور موجودہ صدر شیراک: اپنی جنسی آزادی پر مگن

لیکن خاندانی زندگی کا تصور بدل گیا ہے۔ خاص طور سے شادی کا تصور انقلابی تغیرات سے گزرا ہے۔ ایک ساتھ رہنے اور جنسی تعلق کے لئے اب شادی ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ فرانس میں صرف ۷ فیصد لوگ بن بیاہی ماؤں کے تصور کو اخلاقا غلط سمجھتے ہیں۔

بن بیاہی ماؤں کا تصور مغرب میں بڑی تیزی سے پھیلا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں صرف آئس لینڈ واحد ملک تھا جہاں بیس فیصد اور سویڈن اور آسٹریا میں ۱۰ فیصد کے قریب بن بیاہی مائیں تھیں۔ فرانس اور برطانیہ میں ایسی مائیں چار پانچ فیصد سے زیادہ نہ تھیں۔ لیکن ۱۹۹۳ء کے ایک سروے کے مطابق آئس لینڈ میں بن بیاہی ماؤں کی تعداد ۶۰ فیصد، سویڈن میں ۵۰ فیصد، ڈنمارک میں تقریبا ۴۸ فیصد، ناروے میں ۴۲، فرانس میں ۴۰، برطانیہ میں ۳۸، فن لینڈ میں ۳۶، امریکہ میں ۳۵، آسٹریا میں ۳۰، کناڈا میں ۲۸، آئرلینڈ میں ۲۵، پرتگال میں ۲۰، جرمنی میں ۱۸، ہالینڈ میں ۱۶، بلجیم میں ۱۶، اسپین میں ۱۰، اٹلی میں ۶، سوئٹزرلینڈ میں ۴ اور یونان میں ۲ فیصد تھی۔ گذشتہ تین سالوں میں بلاشبہ اس تعداد میں ہر جگہ اضافہ ہی ہوا ہوگا۔

عیسائیت کی آزادانہ زندگی انسان کو اپنے خالق کے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتی

مختلف مذاہب کے گہرے مطالعے کے بعد میں کیرول بولٹس سے صبیحہ خان بن گئی

سوچئے کہ اگر آپ راستہ بھول کر کسی ویرانے کی طرف نکل جائیں جہاں آپ کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو اور بے یار و مددگار پڑے رہ جانے کا خطرہ لاحق ہو ایسے میں غیب سے دنیا کی نعمتیں آپ کے سامنے حاضر ہو جائیں اور کوئی آواز آپ کے لئے صحیح سمت کا تعین بھی کردے تو آپ کی خوشی اور حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ کچھ یہی حال ایمان کی دولت پالینے والوں کا بھی ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں عام دنیاوی معیارات کے مطابق تمام عیش و آرام میسر رہتا ہے۔ عزت و شہرت کی ان کے پاس کوئی کمی نہیں رہتی۔ لیکن اپنے دل کا عالم خود وہی جانتے ہیں کہ اس پر کیا بیتتی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کا تعلق کسی ایسے مذہب سے ہوتا ہے جو حد درجہ منظم اور اپنی تبلیغ کے مادی وسائل سے لیس رہتا ہے اور جس کے نظم و ضبط، طریقہ کار، انسان دوستی اور رواداری کے مظاہروں سے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ خاصے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس ساری شان و شوکت کی اصلیت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ حقیقت کے متلاشی شخص کو اس سے ہرگز کوئی روشنی نہیں مل پاتی۔ کیرول بولٹس کے نام سے معروف جنوبی افریقہ کی ایک خاتون نے جنہوں نے مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے لئے صبیحہ خان کا نام اختیار کیا ہے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے کچھ اسی طرح کے احساس کا اظہار کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک کیتھولک عیسائی خاندان کے فرد کی حیثیت سے انھوں نے سفید فام عیسائی لڑکیوں کے ساتھ اسکول کی تعلیم حاصل کی اور بڑی آزادانہ زندگی گزاری لیکن یہ زندگی ایسی تھی جو انسان کو اپنے خالق کے بارے میں سوچنے کی منٹ بھر کی فرصت بھی نہیں دیتی۔ گویا کہ اس طرح انسان کبھی اپنی تخلیق کے مقصد پر غور کرنے کی اہلیت ہی نہیں پیدا کر پاتا۔ جب وہ اپنی تخلیق کے راز و مقصد پر دھیان دے گا تبھی اس کے ذہن میں لامحالہ یہ سوال بھی اٹھے گا کہ اس کا خالق کون ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کے مذہب اور انکی معاشرتی اقدار نے ان کے ذہن کو زندگی کے اس پہلو کی طرف سے تاریک ہی رکھا۔ اسکول میں انھیں قدیم بائبل کے ہزاروں بار دہرائے ہوئے ابواب پڑھائے جاتے تھے اور عیسائیت کی ابتدا، اور دیگر بنیادی تعلیمات کے بارے میں انھیں کچھ بتایا ہی نہیں گیا جس سے کہ ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو اپنے طور پر سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ یہ ایسی چیز تھی جو ان کے ماحول نے تو فراہم نہ کی ہاں ایک اندر سے لگن تھی جس نے انہیں بدھ ازم یہودیت اور ہندو ازم کے مطالعہ پر اکسایا۔ ذاتی طور پر انہوں نے ان تینوں مذاہب کا جب گہرا مطالعہ کرلیا تو ان پر یہ راز کھلا کہ اسلام ہی صحیح معنوں میں اس دور کا رہبر کہلانے کا مستحق ہے جس میں وہ سانس لے رہی ہیں۔
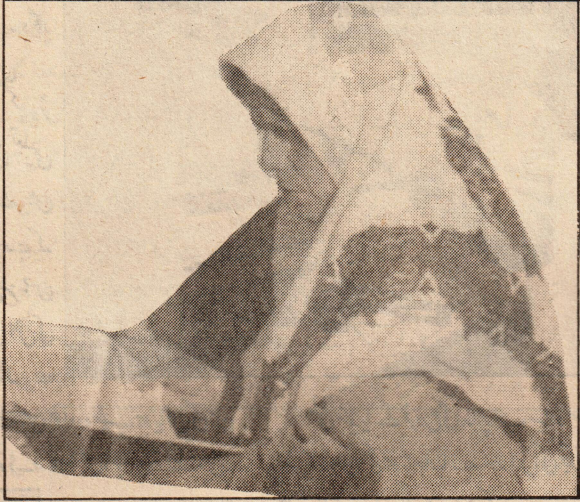
صبیحہ خان آگے چل کر کہتی ہیں کہ عیسائیت اور مذکورہ دیگر مذاہب کے مطالعے سے یہ بات بھی ان پر آشکار ہوئی کہ باطل سے سمجھوتے کی حوصلہ شکنی، بے بنیاد عقائد و توہمات اور خلاف عقل اعمال کی مخالفت کرنے والا اگر کوئی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ اسلام کی ایک اور بات جس نے اس نو مسلم کو اپنی طرف کھینچا ہے وہ یہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے یہ اپنی مکمل شکل اختیار کرچکا تھا، اور اس اعتبار سے آج اس کی اصل شکل کے باقی رہنے کا امکان نہیں ہونا چاہئے لیکن آج کی جدید سائنسی ضروریات کا ساتھ یہ مذہب حیرت ناک حد تک دے رہا ہے۔

ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ صبیحہ خان نے کسی اضطراری کیفیت کے زیر اثر نہیں بلکہ خود اپنے مذہب اور دیگر مذاہب سے اسلام کا موازنہ کرلینے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اپنے دل میں بیدار ہونے والے شبہات کا ازالہ بھی وہ اہل علم سے اپنے سوالات کے ذریعے کرتی رہی ہیں۔ اس مطالعہ و موازنہ کے دوران ان کی رسائی اس عملی اور منطقی نکتے تک بھی ہوئی کہ اللہ صرف رحیم و کریم ہی نہیں ہے کہ ہمیں آزاد چھوڑ دے کہ جس راہ چاہیں نکل جائیں اور اس کی طرف جب بھی رجوع کریں تو وہ بخش دے۔ اللہ کی ذات کا ایک دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ جبار و قہار بھی ہے۔ اس رحم و کرم اور لطف و عنایت کا حق دار بندہ اسی وقت بنتا ہے جب ہم اس کے بتائے ہوئے ضابطوں کی پابندی کرکے دکھائیں۔ دیکھا جائے تو نجات کا یہ تصور انسانی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ اس تصور نجات میں اس بات کی کہیں سے گنجائش نہیں نکلتی کہ کسی شخص کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا شخص اٹھائے گا یا ان گناہوں کا کفارہ ادا کرے گا۔ جب یہ عقیدہ انسان کے دل میں پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے لئے عمل کی راہیں متعین کرتا ہے جس سے وہ خدا کے لطف و کرم کا مستحق بن جائے۔ اس طرح اس کی زندگی کو ایک نیا مفہوم ملتا ہے اور اس کے مقصد کا تعین ہوتا ہے۔ یہیں سے انسان کے علم و آگہی میں جب وسعت پیدا ہوتی ہے تو وہ اسلام کے تئیں بے نیازانہ رجحان نہیں رکھتا بلکہ اسے اولین مقصد کی حیثیت دیتا ہے۔ وہ اپنے علم کی روشنی میں عمل کرتا ہے۔ ایسا عمل نہیں جو دوسروں کو محض مرعوب کرنے کے لیے ہو بلکہ ایسا عمل جس سے اللہ راضی ہو اور جس سے اس کے بندوں کو راحت و آرام ملے۔

> یہ ایسی چیز تھی جو ان کے ماحول نے تو فراہم نہ کی ہاں ایک اندر سے لگن تھی جس نے انہیں بدھ ازم، یہودیت اور ہندو ازم کے مطالعہ پر اکسایا۔ ذاتی طور پر انہوں نے ان تینوں مذاہب کا جب گہرا مطالعہ کرلیا تو ان پر یہ راز کھلا کہ اسلام ہی صحیح معنوں میں اس دور کا رہبر کہلانے کا مستحق ہے جس میں وہ سانس لے رہی ہیں۔

عورتوں کے لئے سر کے بال مونڈنا اور مردانہ انداز کے بال رکھنا حرام ہے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال:— عورتوں کے لئے سر گھٹانا حرام ہے۔ کیا نئے نئے انداز سے بالوں کو کٹوانا بھی ان کے لئے حرام ہے؟

جواب:— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے فوت ہونے پر چیخ چیخ کر رونے والیوں اور کسی عزیز کی موت پر سر گھٹانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس طرح حدیث مبارک کا براہ راست اشارہ کسی شخص کی موت کی مناسبت سے سر کے بال اتروانے کی طرف ہے۔ عورتوں کے لئے مردانہ طرز کے بال رکھنا حرام ہے۔

عباسی دور حکومت میں بعض لڑکیاں بالوں اور لباس کے طرز میں لڑکوں کے سے انداز اختیار کرتی تھیں انہیں غلامیات کہا جاتا تھا۔ اگر مردوں کے لئے کوئی طرز بالوں کا مخصوص ہو تو عورتوں کو اجازت نہیں کہ اس کی نقل کریں۔ اس طرح عورتوں کے لئے دو باتیں حرام قرار پاتی ہیں: سر کے بال مونڈنا اور دوسرے بالوں کی تراش خراش میں مردوں کی نقل کرنا۔ ان دو باتوں کے علاوہ ایک مسلمان عورت کو آزادی ہے کہ اپنے شوق اور پسندیدگی کے مطابق کسی طرح کا اسٹائل اختیار کرے۔

سوال:— میرے ایک دوست کی شادی ہونے ولی ہے۔ کیا ایسی کوئی مخصوص دعاء ہے جو میرا دوست یا اس کی طرف سے کوئی اور شخص زوجیت کی خوشی اور کامیاب زندگی کے لئے کرسکے۔

جواب:— جب کوئی عورت بیوی کی حیثیت سے شوہر کے گھر میں قدم رکھتی ہے تو اس وقت مخصوص دعاء شوہر کو یہ کرنی ہوتی ہے کہ وہ بیوی کے آگے کی لٹ ہاتھ میں لے کر اللہ سے یہ دعا کرے کہ اے اللہ مجھے نیک کردار بنا۔ تو اپنے رحم و کرم سے ان تمام خراب باتوں اور شر کا سبب بننے والی چیزوں کو ہم سے دور رکھ جو اس ازدواجی رشتے کو پر سکون رکھنے میں مخل ہوں۔

> اس وقت مخصوص دعاء شوہر کو یہ کرنی ہوتی ہے کہ وہ بیوی کے آگے کی لٹ ہاتھ میں لے کر اللہ سے یہ دعا کرے کہ اے اللہ مجھے نیک کردار بنا۔ تو اپنے رحم و کرم سے ان تمام خراب باتوں اور شر کا سبب بننے والی چیزوں کو ہم سے دور رکھ جو اس ازدواجی رشتے کو پر سکون رکھنے میں مخل ہوں۔

جب زوجین کے احباب انہیں مبارک باد دینے کے لئے جائیں تو یہ دعا دیں کہ اللہ اس رشتے کو خیر و برکت کا باعث بنائے اور دونوں کو اولاد صالح میسر آئے۔ ایسے موقعوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا کی۔ اس کے علاوہ دیگر دعائیں ہیں جس سے زوجین کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

سوال:— جمعہ کے دن کی اسلام میں کیا اہمیت ہے؟ کیا یہ آرام کا دن ہے اور کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ مسلمانوں کا یوم السبت ہے؟

جواب:— مسلمانوں کے لئے۔ جمعہ کا دن بہت اہم ہے۔ اس اہمیت کے اعتبار سے۔ بجا طور پر اس دن کو ہر ہفتے کا یوم عید کہا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ اس دن ایک مقررہ وقت پر خاصے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اس لئے بھی اسے یوم جمعہ کیا گیا۔ گویا یہ مسلمانوں کے اتحاد کا اظہار اور اس اتحاد کو پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کی فضیلت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور یہی وہ دن ہے جس دن اللہ کے سامنے بندوں کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

ایک اعتبار سے۔ جمعہ کو یوم سبت کے مساوی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس دن عبادت کے مقررہ اوقات میں کسی طرح کے کاروبار اور تجارت سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری ہے کہ اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز کے لئے تمہیں بلایا جائے تو اللہ کو یاد کرنے کے لئے تم تمام معاملات دنیا کو چھوڑ کر آگے بڑھو۔ علماء نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ اذان سے لے کر نماز کے اختتام تک کام دھندے عارضی طور پر بند کردئے جائیں۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص لگاتار تین ہفتوں تک نماز جمعہ ترک کرتا رہا تو اللہ اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔

یہ مشین بچوں اور بڑوں کے لئے یکساں مفید اور دلچسپ ہے

کمپیوٹر ایک کھیل بھی ہے اور اپنا کام منظم انداز میں کرنے کا ایک جدید ترین ذریعہ بھی

ٹی وی اور وڈیو کی طرح آج کمپیوٹر بھی ہر گھر کی ضرورت بن چکا ہے خصوصاً جہاں بچے ہوں۔ کمپیوٹر کی طرف بچوں کے ذہن کو مائل کرنے میں بڑا ہاتھ خود والدین کا ہے اور اس کے بعد کمپیوٹر ساز کمپنیوں کی زمانہ شناسی کا۔ اب ہر طبقے اور سطح سے تعلق رکھنے والے والدین کو یہ احساس ہو چلا ہے کہ بچوں کے لیے ہر وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہنا ایک تو ان کی بینائی کو متاثر کرتا ہے دوسرے ان کی ذہنی تربیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ فلم یا کارٹون بینی میں ضرورت سے زائد ضائع کیا گیا وقت، اگر اس طرح خرچ کیا جائے کہ ان کو ایسی تفریح میسر آجائے جس میں ان کے ذہن کی ورزش بھی ہو سکے۔ اس خیال کے پیش نظر کوارٹرز بیٹری سے چلنے والے جیبی وڈیو گیم مثلاً پیرا شوٹ، پیاٹی، ڈنکی کانگ وغیرہ ایک دہائی سے زیادہ پہلے بازار میں آچکے تھے اور اس کی بڑی شکل بازار میں یکا دکا دوکانوں میں رکھے ہوئے وڈیو گیم ہیں جنھیں فی گھنٹہ کے حساب سے کرایہ ادا کر کے کھیلا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا طبی اور تربیتی نکتے کو کمپیوٹر ساز کمپنیوں نے پالیا اور رفتہ رفتہ بازار میں کاروباری، تعلیمی اور تفریحی ایسے مشترکہ پرسنل کمپیوٹر آنے لگے کہ جن سے بڑی عمر کے لوگ بھی اپنے کام کر لیں، بچے اپنی پڑھائی لکھائی سے متعلق کام انجام دے لیں اور اس پر اپنی پسند کا ایسا کوئی کھیل بھی کھیل لیں جو وہ وڈیو گیم پر کھیلتے رہے ہوں یا آئندہ کھیلنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے والدین اپنے ضروری اخراجات میں سے بچت کر کے نونہالوں اور اسکول یا کالج میں زیر تعلیم بچوں کے لئے پرسنل کمپیوٹر خریدنا چاہتے ہیں۔

ارشد، احسن اور اسعد تین بھائی ہیں جن کی عمریں بالترتیب ۱۲،۱۸ اور دس سال ہیں۔ ان میں سب سے بڑا الیکٹرونکس انجینئرنگ کا طالب علم ہے اور دونوں چھوٹے درجہ ششم اور چہارم میں ہیں۔ انھیں ایک ایسے سسٹم کی ضرورت تھی جس پر انجینئرنگ کی کیلکولیشن، ڈرائنگ اور دیگر پیکج تیار ہو سکیں، چھوٹوں کو کمپیوٹر کی مبادیات سکھائی جاسکیں اور ساتھ ہی انھیں اپنی ذہنی دلچسپی کی تفریح بھی حاصل ہو جائے۔ یہی کھیل آگے چل کر ان بچوں کو کمپیوٹر پروگرامنگ اور اس کے متعلقات سکھانے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

بچوں کو کمپیوٹر کے ذریعے اپنی تعلیمی استعداد بڑھانے میں دلچسپی کا راز یہ ہے کہ اس میں ہر وہ چیز جس کا وہ تصور کریں اس کی تصویر یا خاکہ وہ اسکرین پر بنا سکتے ہیں خواہ وہ سیب ہو یا ان کی من پسند ٹافی، وہ برتھ ڈے کارڈ بھی ڈیزائن کر سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے موزوں ہارڈ ویر کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ سافٹ ویر کے انتخاب میں بڑی گنجائش رہتی ہے۔ پرسنل کمپیوٹروں کے نام عموماً اس سنٹرل پروسیسنگ یونٹ کے اعتبار سے رکھے جاتے ہیں جو ان کے اندر نصب ہوتے ہیں۔

ملٹی میڈیا کے فروغ کی بنا پر اب سیاہ و سفید مانیٹر کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ پر رنگین مانیٹر آنے لگے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی قیمتوں کے درمیان صرف آٹھ ہزار کا فرق ہے۔ جب کہ کارکردگی اور نتائج میں خاصا فرق ہے اس وقت کلر مانیٹر اور 540 میگا بائٹ کی ہارڈ ڈسک کے ساتھ 486 پرسنل کمپیوٹر کی قیمت پچاس ہزار کے آس پاس ہے۔ اس میں الگ سے بعض چیزیں بہتر ترسیل کے لئے لگائی جاسکتی ہیں مثلاً سولہ بٹ کا فیکس موڈیم جس کی قیمت سات ہزار روپئے ہے۔ اس لائن کے خوردہ فروشوں کے بیان کے مطابق وہ فیکس موڈیم کارڈ دو ہزار روپئے میں بھی فراہم کر سکتے ہیں لیکن پی سی استعمال کرنے والوں کا اپنے تجربے کی رو سے یہ کہنا ہے کہ ان سستے کارڈوں کی ترسیلی رفتار اتنی سست ہوتی ہے کہ ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔
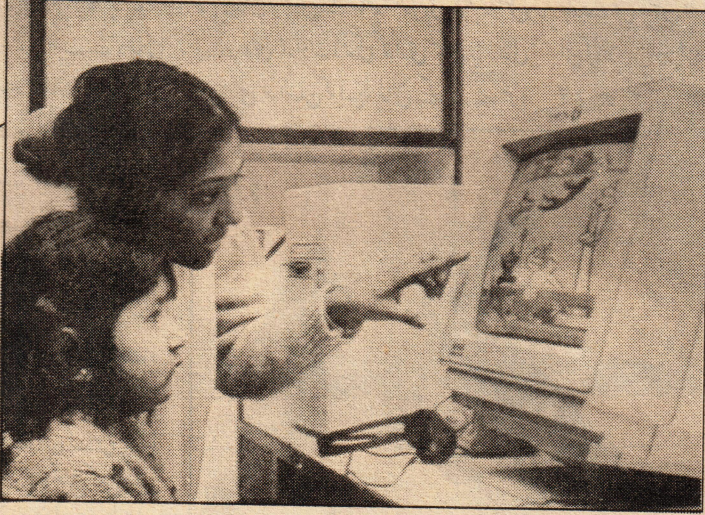
زیادہ تر پرسنل کمپیوٹروں میں بعض بنیادی پروگرام پہلے سے موجود ہوتے ہیں مثلاً عام طور پر مائیکرو سوفٹ ڈسک آپریٹنگ سسٹم اور ونڈوز۔ ان پروگراموں کے علاوہ گھر میں کمپیوٹر استعمال کرنے والے لوگ ملٹی میڈیا سی ڈی خرید سکتے ہیں جو انٹر ریکٹو ہیلتھ پروگرام، حقیقی زندگی پر مبنی ایکشن پروگرام، موسیقی پروگرام اور بچوں کی کہانیاں اور نرسری کی نظمیں وغیرہ۔

> ارشد، احسن اور اسعد تین بھائی ہیں جن کی عمریں بالترتیب ۱۲،۱۸ اور دس سال ہیں۔ انہیں ایک ایسے سسٹم کی ضرورت تھی جس پر انجینئرنگ کی کیلکولیشن، ڈرائنگ اور دیگر پیکج تیار ہو سکیں، چھوٹوں کو کمپیوٹر کی مبادیات سکھائی جاسکیں اور ساتھ ہی انہیں اپنی ذہنی دلچسپی کی تفریح بھی حاصل ہو جائے۔

کیا خوب معلوماتی اور دلچسپ ہے اسکینر قلم کا کرشمہ

آپ کی گمشدہ چیز لمحہ بھر میں آپ کے سامنے کر دیتا ہے

معلوماتی ٹیکنولوجی کی ترقی کے اس دور میں اسکینر یا ہائی لائٹر پن کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ عام زندگی میں آپ کو اپنے کاغذات کے انبار میں سے کوئی خاص دستاویز یا تحریر ڈھونڈنے میں دقت پیش آتی ہے جو آپ نے کبھی نشان لگا کر رکھ دیا ہو۔ بالکل اسی نوعیت کی پریشانی کا سامنا آپ کو کمپیوٹر کے اندر موجود تحریر یا معلومات کے ذخیرے میں سے مطلوبہ حصہ یا صفحہ تلاش کرنے میں بھی ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آئی آر آئی ایس قلم کی ایجاد ہوئی ہے جو مطلوبہ حصہ معلومات کی شناخت کر کے اسے آپ کے منتخب کردہ کمپیوٹر ایپلی کیشن میں پہنچا دیتا ہے خواہ ورڈ پروسیسر ہو یا اسپریڈ شیٹ، ڈیٹا بیس ہو یا پرسنل انفارمیشن نیجر۔ یہ IRIS Pen ونڈوز اور میکنٹوش کے لیے ڈھائی سے ساڑھے تین سو ڈالر میں دستیاب ہے اس کا اصل ڈیزائن بلجیم میں تیار ہوا تھا اور امریکہ کے بازاروں میں دو سال سے فروخت ہو رہا ہے۔

آئی آر آئی ایس قلم کی نوعیت مار کر قلم سے مختلف نہیں ہے۔ ایسے مارکر یا ہائی لائٹر اتنے بڑے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی چوڑائی ڈیڑھ انچ، موٹائی سات انچ اور لمبائی چھ انچ ہو۔ اڈاپٹر میں لگا ہوا چھ فٹ کا ایک تار پرنٹر پورٹ سے منسلک ہوتا ہے۔ یہ اسکیننگ سافٹ ویر ہمہ جہت عمل پر قادر ہے ۸ سے ۲۲ فونٹ سائز میں ایک سے تین انچ کے حروف کی گیارہ زبانوں میں شناخت کر سکتا ہے اور حسب خواہش ابجدی عددی یا صرف عددی ترتیب میں کام کرتا ہے۔ ایسا بھی انتظام ہے کہ جن کیرکٹروں کی شناخت میں دقت ہوتی ہے ان کو خاص طور پر پہچان لینے کی تربیت بھی آپ اسے دیدیں۔

نہ صرف متن اور اعداد بلکہ یہ تصویروں کی بھی شناخت کر سکتا ہے مثال کے طور پر آپ کو کسی تصویر کے اندر کوئی تحریر یعنی لوگو لگانا یا دستخط چپکانا ہے تو وہ بھی اس میں ممکن ہے۔ اس سکینر پر تھوڑی سی اضافی رقم خرچ کر کے اسپیچ سنتھیسس کی سہولت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ڈیٹا انٹری ایپلی کیشن میں یہ سسٹم بہت مددگار ہے کیونکہ اس میں کام کرنے والے کو سن کر اندازہ ہوتا رہتا ہے کہ غلطی کہاں پر ہو رہی ہے۔ 486/50 میگا ہرٹز کے کمپیوٹر پر صرف عددی ایپلی کیشن میں اس کی کارکردگی خاصی تیز رفتار ہے لیکن ٹکسٹ موڈ میں سست رفتاری آجاتی ہے۔ اس کی مدد سے عبارت میں خصوصاً سطر کے خاتمے پر آجانے والے ہائفن بھی ہٹائے جاسکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی ڈیٹا کی اسکیننگ کے دوران صارف خود بخود دوسری ڈیٹا بیس فیلڈ یا اسپریڈ شیڈ سیل بغیر کچھ کہے ہوئے منتقل ہو جائے گا۔

اس قلم کے اوپر ایک بٹن لگا ہوتا ہے اور اس کی بھی پروگرامنگ اس مقصد سے ممکن ہے کہ منتخب ایپلی کیشن میں جو کیرکٹر بھیجنا ہو بھیج دیا جائے اور عموماً ENTER کلید کا کام کرتا ہے۔ اگر صرف عددی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں تو تمام ابجدی کیرکٹر اپنا کام بند کر دیتے ہیں۔ ایک دقت کسی کو بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت کی بنا پر بھی پیش آسکتی ہے تو اس مشکل کا بھی لحاظ یہاں پر رکھا گیا ہے۔ آئی آر آئی ایس قلم کے سافٹ ویر کو ہدایت دی جاسکتی ہے کہ دائیں سے بائیں کی طرف اسکین کرے بس ایسی صورت میں متن کی آوٹ پٹ بائیں سے دائیں کی ترتیب میں ہوگی۔

عملی طور پر آئی آر آئی ایس کی کارکردگی دلچسپ اور موثر تو ہے لیکن اسے مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ خصوصاً اخباری مواد کی اسکیننگ کرتے وقت جس کے کالم کے درمیان عمودی خط کھینچا ہو خاص توجہ دینے کی ضرورت رہتی ہے کہ لائن سے باہر نہ چلے جائیں۔ اخبارات میں اسٹاک بازار کے داموں کی ٹیبل شائع ہوتی ہے اس کی اسکیننگ خاصی مشکل ہے کیونکہ اس کے حروف بہت چھوٹے ہوتے ہیں اٹالکس میں لکھے گئے حروف میں بھی پریشانی ہوتی ہے۔ ایک اور پریشانی اس وقت کھڑی ہو جاتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ کسی میگزین کو ڈیزائن کرنے والوں نے بیک گراؤنڈ کے رنگ اور ٹائپ کے حروف پر کالم میں الگ الگ رکھے ہیں جو انسانی آنکھ کو تو دلکش نظر آسکتے ہیں لیکن آئی آر آئی ایس کا دم جگہ جگہ اکھڑنے لگتا ہے۔ کسی درسی کتاب سے کوئی اقتباس اسکین کرنا بہت آسان ہے اور اس اعتبار سے طلبا اور تحقیق میں مصروف افراد کو کام کرنے میں کافی مدد مل جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ریسرچ نوٹس کو مجموعی رپورٹ اور بزنس کارڈ پر درج معلومات کو آرگنائزر پروگرام کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔

> اسی مقصد کے لئے آئی آر آئی ایس قلم کی ایجاد ہوئی ہے جو مطلوبہ حصہ معلومات کی شناخت کر کے اسے آپ کے منتخب کردہ کمپیوٹر ایپلی کیشن میں پہنچا دیتا ہے خواہ ورڈ پروسیسر ہو یا اسپریڈ شیٹ، ڈیٹا بیس ہو یا پرسنل انفارمیشن نیجر۔

> کسی درسی کتاب سے کوئی اقتباس اسکین کرنا بہت آسان ہے اور اس اعتبار سے طلبا اور تحقیق میں مصروف افراد کو کام کرنے میں کافی مدد مل جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا ریسرچ نوٹس کو مجموعی رپورٹ اور بزنس کارڈ پر درج معلومات کو آرگنائزر پروگرام کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔

بیٹی کے قبول اسلام اور نو مسلمات کے حالات زندگی کے سروے سے

اسلام کے تئیں مغربی مصنفہ کی عصبیت کا آئینہ چور چور ہو گیا

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔

نام کتاب: نیا راستہ اختیار کرنے والی بیٹیاں: نومسلم امریکی خواتین کا تجربہ
مصنف: کیرول انوے
ناشر: یادون پبلی کیشن مسوری
صفحات: ۲۱۵، قیمت: 13.95 ڈالر

مصنف کی بیٹی جودتھ نے مشرف بہ اسلام ہوکر ایک ایرانی سے شادی کرلی۔ شروع میں تو یہ تجربہ مسز انوے کے لئے خاصا تکلیف دہ ثابت ہوا لیکن آگے چل کر رفتہ رفتہ جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا دور ہوتا گیا۔ اب وہی ماں جو اپنی بیٹی کے اس فیصلے پر کبھی مایوس اور غضبناک ہوتی تھی اس کے لیے سراپا عنایت و کرم بن گئی اور جودتھ کے انتخاب کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

مسز انوے نے محسوس کیا کہ جودتھ کی زندگی ایک نئی راہ پر گامزن ہوگئی ہے اور اس کا ڈھرہ ہی یکسر بدل گیا ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں خواہش ہوئی کہ اپنے مشاہدے کی تصدیق کے لئے بعض دیگر لڑکیوں اور عورتوں کے کوائف و تجربات سے بھی آگاہ ہوں جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہو۔

کیرول انوے کی تصنیف ہم پر بعض ایسے ہی تعجب خیز انکشافات کرتی ہے۔ جودتھ اور اس کی معاصر نومسلمات کی حیات نو کے تجربات کے تفصیلی مطالعہ سے قارئین اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام مخالف عناصر نے عورتوں کے تئیں اسلام کے موقف کے سلسلے میں ایسے اصنام خیالی تراش رکھے ہیں کہ ان کے سہارے وہ ترقی کی خواہشمند نوجوان نسل کو اسلام کے قریب آنے سے باز رکھ سکیں۔ مثال کے طور پر پردہ کو ہی لے لیجئے۔ اسلام مخالف حلقہ کہتا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم ہے کہ وہ خود کو چہار دیواری میں باندھ کر گھر سے باہر آئیں تو دوسری طرف خود اسلام پسند خواتین کا اصرار ہے کہ اپنے جسم کو سامان نمائش نہ بنانے پر انھیں فخر ہے اور انھیں کبھی نہیں محسوس ہوتا کہ پردہ یا حجاب ان کی خانگی یا خارجی مصروفیات کی انجام دہی میں حارج ہوتا ہے۔

نومسلمات کے سروے سے مسز انوے کو ان کی بعض مشترک اقدار کا علم ہوا مثلاً یہ کہ وہ ایک اللہ اور محمد کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتی ہیں۔ شراب نوشی اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کرتی ہیں۔ زندگی کی طرف ان کا رویہ سنجیدہ اور صحت مند ہے۔ اپنی، اپنے شوہروں اور بچوں کے تحفظ و عافیت سے انھیں یکساں سروکار ہے جو محبت و ایثار پر مبنی ہے نہ کہ خود غرضی پر۔ وہ تعلیم یافتہ اور باخبر ہوتی ہیں اور زندگی کا مستحکم تصور رکھتی ہیں ان کی بنیادی اوصاف کے علاوہ باقی باتیں ایسی ہیں جو میڈیا اور بعض ممالک کے مسلمانوں کے پھیلائے ہوئے زہریلے تصورات کے بالکل منافی ہیں۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ ان نومسلمات کو شوہروں نے انھیں گھر کی چہار دیواری میں مقید رہنے اور اس کے باہر کی دنیا سے منقطع ہونے پر مجبور کیا ہو۔ ایسا بھی نہیں کہ ان پر سادہ اور باحجاب اسلامی لباس پہننے کے لئے زور زبردستی کی جاتی ہو اور نہ ہی وہ کبھی اپنے شوہروں کی زیادتی اور بدسلوکی کا نشانہ بنتی ہیں۔ صرف شادی کرنے کی غرض سے وہ مذہب اسلام قبول نہیں کرتیں۔

> ان خواتین نے اسلام کی طرف مائل ہونے اور اسے قبول کرلینے کے بعد یہ بھی محسوس کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اسلام کا ہی پیغام لے کر آئے تھے۔ اس طرح عیسائی برادران کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نبی آخرالزماں عیسائیوں کے بھی پیغمبر تھے کیونکہ دونوں ہی اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اسی کی تعلیم دیتے تھے۔

حلقہ بگوش اسلام ہونے والی خواتین اور لڑکیوں کا تعلق صرف کیتھولک چرچ سے ہی نہیں بلکہ مختلف عیسائی مذہبی فرقوں سے ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی سماجی حیثیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ امریکہ کے قلب میں اسلام کے افق پر

عیسائیت کے مختلف عقائد کے نمائندوں کے ایک نئے انداز سے ابھرنے کا تجربہ خود ان کے لئے حد درجہ مسرت بخش رہا ہے۔ آج وہ یہ کہتے ہوئے فخر و تحفظ کا احساس کرتی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

یہ حوصلہ افزا صورت حال صاف بتاتی ہے کہ امریکہ کو اسلام سے دور رکھنے کی صہیونی کوششیں اور چالیں بری طرح ناکام ہوگئی ہیں۔

ان خواتین نے اسلام کی طرف مائل ہونے اور اسے قبول کرلینے کے بعد یہ بھی محسوس کیا ہے کہ حضرت عیسی اسلام کا ہی پیغام لے کر آئے تھے۔ اس طرح عیسائی برادران کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کے بھی پیغمبر تھے کیونکہ دونوں ہی اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اسی کی تعلیم دیتے تھے۔

آج کی دنیا پر میڈیا کی یلغار سے آپ واقف ہیں کہ آپ کی فکر کے دھاروں کا تعین بھی میڈیا ہی کرتا ہے غرض کہ "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے" میڈیا چونکہ غرض کا بندہ ہے اس لئے خیر کو سرنگوں اور شر کو سرفراز کرنے کی ہر ممکن کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ان باتوں کے زیر اثر لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی طرف سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہوں گے جب کہ جودتھ، ان جیسی دیگر نو مسلمات اور مصنفہ مسز انوے کے تجربات و مشاہدات سے اس تاثر کی بھرپور نفی ہوتی ہے۔

جناب آپ بیٹے سے کنارہ کشی مت کیجیئے یہ مسئلے کا حل نہیں ہے

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

سوال: — مجھے میرے بیٹے نے شدید عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بہت سخت و سست کہنے پر نماز پڑھ لیتا ہے وہ بھی خدا جانے وضو کرتا ہے یا ویسے ہی ٹرخا دیتا ہے۔ رات گئے تک اپنے اوباش دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا کمرے میں ایسی واہیات فلمیں دیکھتا رہتا ہے جس میں نیم عریاں تصویروں اور پاگل کردینے والے رقص کی بھرمار ہو۔ میں نے کئی بار سوچا کہ اسے نکال باہر کروں لیکن اس کی ماں بیچ میں آجاتی ہے اور کہتی ہے کہ اسے گھر سے نکال دینے کا نتیجہ خراب ہوگا کیونکہ وہ اس سے بھی خراب عادتوں میں پڑ جائے گا مثلاً شراب نوشی، زہر خوری وغیرہ جس کا چھڑانا بعد میں بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں اس صورت حال سے بہت پریشان ہوں۔ براہ کرم مشورے سے نوازیں۔

جواب: — اولاد کی تربیت صالح خطوط پر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس تربیت میں جو مشکلات ماں باپ کو پیش آسکتی ہیں اس کا تصور کیجئے تو اس قول کی صداقت خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ اسی لئے اللہ کا فرمان ہے "والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین۔" اس دور میں اولاد کی تربیت کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ و سنگین اس وجہ سے ہوگیا ہے کہ زندگی میں بھی پیچ در پیچ آگئے ہیں۔ اس میں بگاڑ اور فساد کے بہانے بہت پیدا ہوگئے ہیں۔ سٹیلائٹ ٹی وی اور سائبر ٹیکنولوجی کے ذریعے مخرب اخلاق فلمیں اور دیگر تحریری مواد دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہے ہیں اور لوگ انھیں اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں۔

تربیت کی باگ ڈور جس کے ہاتھ میں بھی ہو خواہ باپ ہو یا ماں وہ اپنے حسن تربیت کے اجر کی توقع اللہ سے رکھتے ہوئے غلط راہ پر پڑ جانے والے اس بچے کو ہر ممکن کوشش کرکے بتدریج اچھی عادات کی طرف مائل کرے۔ اس کے لئے دو نمونوں کو پیش نظر رکھنا مفید اور کارآمد ثابت ہوگا

(۱) ایک ایسا شخص ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت میں کبھی سمجھانے بجھانے سے کام چلاتا ہے، کبھی اچھی باتوں کے فائدے اور بری باتوں کے نقصانات سے انھیں آگاہ کرتا ہے کبھی بری عادات کے نتائج سے خبردار کرنے کے لیے سخت لہجہ اختیار کرتا ہے اور تنبیہہ کرتا ہے۔ غصہ اور طیش کا اظہار بھی کبھی کرلیتا ہے اور اگر کبھی اولاد کو جسمانی سزا دینے کی نوبت آتی ہے تو اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہے جس سے کہ بچے کو عبرت حاصل ہوجائے اور اس میں اپنی غلطی کا احساس پیدا ہوجائے۔ ایسے شخص کا ایک ایک عمل عبادت میں شامل ہوگا۔ اولاد سے اس کی محبت، ان پر اس کی غضبناکی، ان کی بے راہ روی کے قلق میں اس کی بے خوابی یہ ساری باتیں اللہ سے اس کی قربت کا سبب بنتی ہیں۔

(۲) ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنی اولاد کی تربیت محض اس بنا پر کرتا ہے کہ ان کا مستقبل محفوظ و خوشحال رہے خواہ ان میں قبیح عادات پروان چڑھتی رہیں۔ ایسا شخص اپنے بچے کو ایک دن اسکول نہ جانے پر ڈانٹتا پھٹکارتا ہے اور مار بھی سکتا ہے لیکن وہی بچہ اگر ہفتوں اور مہینوں نماز نہ پڑھے تو اسے کوئی تنبیہہ نہیں کرتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنی اولاد کو عبادت کی تربیت نہیں دی جس سے کہ اسے اللہ کی قربت حاصل ہوسکے بلکہ اس کی تربیت اولاد کو حیوانوں جیسی بنادے گی۔ اس نے اپنی اولاد کو دنیاوی نقطہ نظر سے ہی آراستہ کرنا چاہا اس لئے اللہ نے اس کے دل کو فقر سے معمور کردیا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جب اس کے بیٹی بیٹے جوان ہوجاتے ہیں تو راحت کے بجائے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔

سائل کے لئے ایک مشورہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے کنارہ کشی کے بجائے اس کے حلقہ احباب سے بھی کسی قدر خود کو متعارف کرائیں۔ ان سے صاحب سلامت کرتے رہیں۔ پھر اپنی پسند کے بعض صالح افراد جو اس لڑکے کی عمر کے ہیں ان سے ان لڑکوں کو متعارف کرائیں اس منصوبے کے ساتھ کہ وہ ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کے دوران اخلاق فاسدہ اور بیہودہ ناچ گانے اور فلموں کے نقصانات بیان کرتے رہیں اور اس کی جگہ بعض اچھی چیزیں دیکھنے، پڑھنے اور سننے کی ترغیب دلاتے رہیں۔ اس طرح امید ہے کہ لڑکے کی صحبت ضرور بدلے گی۔

جب اس کا اندازہ ہوچکا ہے کہ لڑکے کو گھر سے نکالنا مسئلہ کو اور الجھا دے گا تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ لڑکے کی عمر بھی اچھی خاصی لگتی ہے اس لئے زدوکوب کرنے کا مشورہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔

Price Rs. 5/-
1 - 15 MAY 1996
Volume : 3, Issue.: 9

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

اضطراب ہی اضطراب

مسجد کے پرسکون سناٹے میں قرآن مجید کی تلاوت کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ خاص طور پر جب عصر کی نماز کے بعد مسجد خالی خالی رہ گئی ہو۔ محمد انور کو ان لمحات میں مسجد میں رک جانا اور پرسکون تنہائی میں قرآن کی تلاوت بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ۳۲ سالہ محمد انور نے جو پیشے کے اعتبار سے الیکٹرونک انجینئر ہیں چند سال قبل ہی اپنی اسلامی شناخت دریافت کی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے شب و روز کچھ اس طرح بدلے کہ اب ان کو پہلی بار دیکھنے والوں کو اس بات کا مشکل ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے ایک گوشے میں انتہائی مضطرب دل و دماغ کے ساتھ قرآن میں روشنی کا یہ متلاشی دراصل ایک غیر قرآنی سیکولر جدید دانش گاہ کا پروردہ ہے۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد بہت سے نوجوانوں کی طرح محمد انور کے اندر بھی یہ داعیہ شدت اختیار کرتا گیا کہ ایک ایسے ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے لئے راستے بند معلوم ہوتے ہیں نئے امکانات کی تلاش شروع کردی جائے۔ بالخصوص ایک ایسی صورتحال میں جب سیکولر ہندوستان کا سیاسی نظام بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اپنے اندر ظلم اور ناانصافی کے علاوہ کچھ بھی نہ رکھتا ہو جب امت مسلمہ پر زندگی کے شب و روز مسلسل تنگ ہوتے جارہے ہوں اور جب آخری رسول کی انقلابی امت کو ایک بے بس اقلیت باور کرانے پر مجبور کردیا گیا ہو محمد انور بار بار کتاب ہدایت کے ان صفحات میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ گذشتہ چند برسوں میں قرآن کے رابطے نے ان کے اندر انتہائی امید افزا احساسات کو جنم دیا ہے اور کتاب ہدایت سے تقویت پاکر وہ بار بار ایک نئے روشن مستقبل کا خواب بننے لگتے ہیں۔
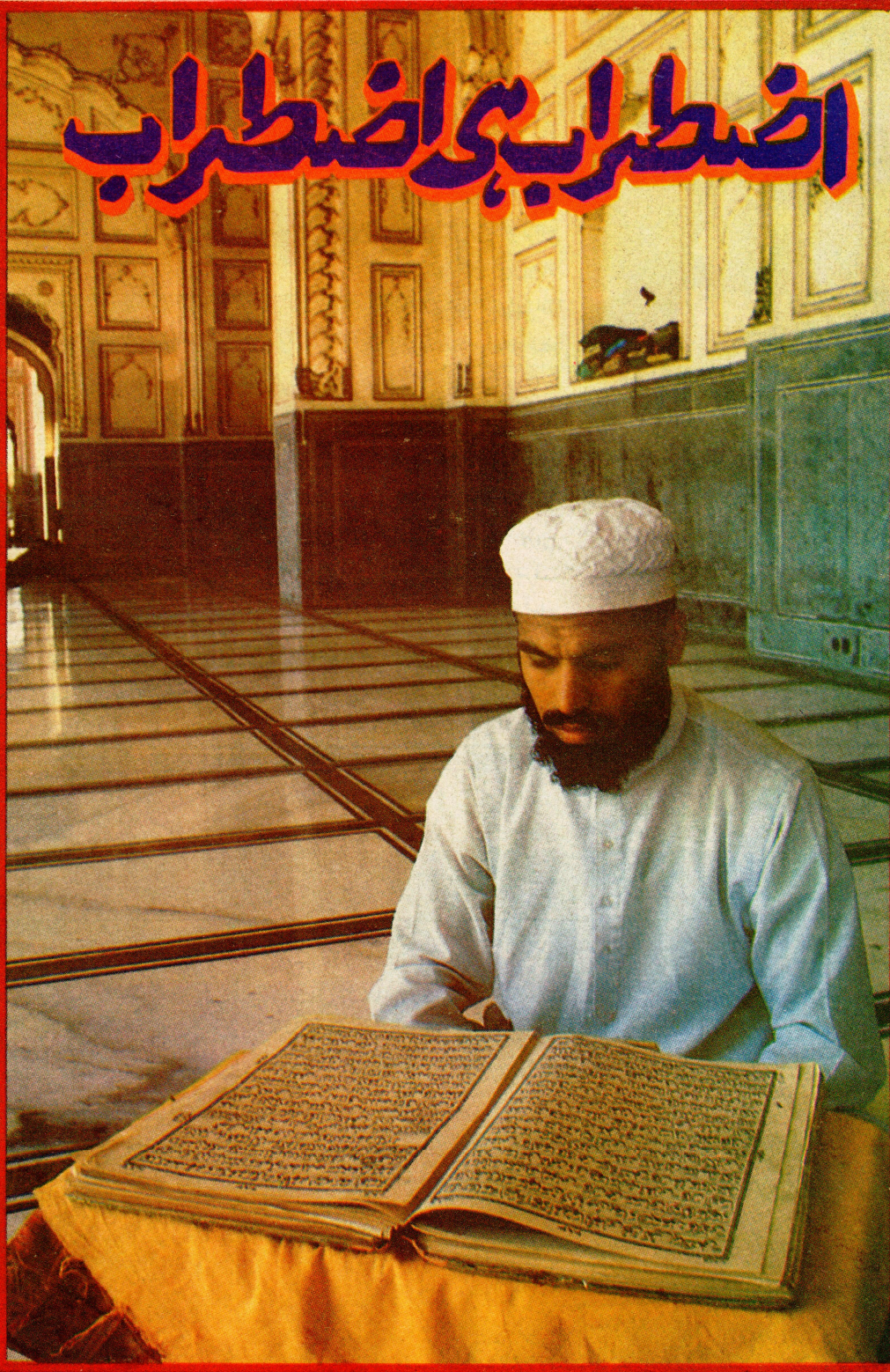
محمد انور کا اضطراب اب رفتہ رفتہ حیرت میں بدلتا جارہا ہے۔ سورہ نساء کی تلاوت کرتے ہوئے جب وہ اس آیت پر پہنچے "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا" (اللہ کافروں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کے معاملات کے انچارج بن جائیں) تو انہیں سخت حیرت ہوئی کہ اتنی صریح ہدایت کے باوجود کہ غیر مسلم مسلمانوں کے معاملات کے انچارج نہیں بن سکتے آخر یہ کیا تماشہ ہے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے معاملات کو گذشتہ نصف صدی سے غیر مسلم قیادت کے حوالے کیا جاتا رہا ہے۔ آخر انہیں کیا ہوگیا ہے جو قرآن کی ہدایت سے خوب واقف ہیں اس صریح ہدایت کے باوجود انہوں نے اپنی گردنوں میں کافر سیاسی پارٹیوں کا قلادہ پہن رکھا ہے۔ محمد انور حیرت و استعجاب کے عالم میں قرآن کی اس آیت کو بار بار پڑھتے ہیں اور ان کے چہرے کا اضطراب مزید نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ الیکشن کی ہماہمی اور نام نہاد علماء جیسے حضرات کی چلت پھرت تو ایک طرف یہ باور کراتی ہے کہ مسلمانوں کا مفاد اپنے معاملات کا ان ہی کافر سیاسی رہنماؤں میں سے کسی ایک کے حوالے کردینے میں ہے۔ لیکن اللہ کا حکم اس کے برعکس ہے۔ کبھی وہ قرآن مجید کی آیت پر نظر ڈالتے ہیں اور کبھی ان کے تصور میں اونچی ٹوپی اور لمبی داڑھی والے علما کے حلیے گردش کرنے لگتے ہیں۔ لیکن دین کے نام نہاد علمبرداروں اور اللہ کے احکام کے درمیان وہ کوئی تال میل پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔ سیکولر ہندوستان کے ظلم و جبر سے پریشان ہوکر خدا کی کتاب کے ذریعے ایک نئے راستے کی تلاش کرنے والے محمد انور اکیلے نوجوان نہیں ان جیسے بے شمار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے اب سیکولر جمہوری فراڈ سے نجات کا تہیہ کرلیا ہے۔ انہیں اس بات پر کامل یقین ہے کہ حکمرانی کا حق کفار و مشرکین کو نہیں اللہ اور اس کے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور یہ کہ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ (سورہ المنافقون) پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان خدا کی کتاب کی موجودگی کے باوجود کسی اور طریقہ زندگی کے قیام کے لئے جدوجہد کریں یا کسی پارٹی کو اپنے ووٹوں کے ذریعے ایک ایسے نظام ظلم کے قیام میں مدد دیں جس سے قرآنی نظام کی نفی ہوتی ہو۔ دنیا کا کوئی بھی ملک خواہ اس کا کچھ بھی نام ہو مسلمانوں کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ اس کے اقتدار کی باگ ڈور کفار و مشرکین کے حوالے کردیں۔ قرآن صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ کفار حکمرانی کے لئے نہیں بلکہ جزیہ دے کر چھوٹے بن کر رہنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے "ان سے لڑو جو اللہ اور آخرت میں یقین نہ رکھتے ہوں اور نہ اس چیز کو حرام قرار دیتے ہوں جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ نہ دین حق کو صحیح گردانتے ہوں اور نہ اہل کتاب کو۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں اور چھوٹے بن کر رہنا قبول کرلیں۔"